کلیاتِ نازؔ
مقدمہ
نسیم امروہوی

کلیاتِ ناز

ہز ہائینس میر علی نواز ناز مرحوم

والی ریاست خیرپور (سندھ)

کی

غزل، سلام، قصیدے اور مرثیے کا مجموعہ

مقدمہ:

نسیم امروہوی

مطبوعہ: مشہور آفسٹ پریس - کراچی

ناشر: ادارہ سہ روزہ "مراد" خیرپور میرس

ملنے کا پتہ:

مینجر سہ روزہ "مراد" ۲۴/۴۴ نظامانی خیرپور میرس

کاتب: منور حسین

فہرست مضامین

سامنے:۔

عکس ہز ہائینس میر علی نواز نازؔ مرحوم

والی ریاست خیرپور میرس

(سنہ ۱۸۸۴ء تا سنہ ۱۹۳۵ء)

پیش لفظ

میر علی نواز خاں ٹالپر، المتخلص بہ نازؔ، سابق ریاست خیرپور میرس (سندھ) کے با اختیار فرمانروا اور (سندھی کے علاوہ) اردو کے نہایت خوش گو اور خوش کلام شاعر تھے۔

نازؔ مرحوم بتاریخ ۹ اگست ۱۸۸۴ء اپنی ریاست کے قدیم پایۂ تخت "کوٹ ڈی جی" میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر امام بخش[1] خاں ٹالپر (ابن میر فیض محمد[2] خاں اول، بن میر علی مراد[3] خاں اول، بن میر سہراب[4] خاں ٹالپر) تھا۔ ابتدائی تعلیم "کوٹ ڈی جی" میں حاصل کرنے کے بعد گھرانے کی رسم کے مطابق لاہور کے چیفس کالج میں داخل ہوئے یہاں ایک نہایت قابل انگریز "مسٹر ولسن" ان کا اتالیق تھا۔ کالج کی تعلیم ختم ہونے پر مزید تعلیم کے لیے ولایت چلے گئے۔ اس طرح ان کی طبیعت میں مشرق و مغرب کی تہذیب کے امتزاج سے وہ ترقی پسندانہ رجحانات پیدا ہو گئے جو اس زمانے میں خوش مذاق تعلیمیافتہ طبقے کا

---

[1] ولادت سنہ ۱۸۹۴ء، تخت نشینی سنہ ۱۹۰۹ء، وفات سنہ ۱۹۲۱ء [2] ولادت سنہ ۱۸۶۲ء، تخت نشینی سنہ ۱۸۹۴ء، وفات سنہ ۱۹۰۹ء [3] ولادت سنہ ۱۸۱۲ء، تخت نشینی سنہ ۱۸۴۳ء، وفات سنہ ۱۸۹۴ء [4] ولادت سنہ ۱۷۴۵ء، قیام ریاست خیرپور سنہ ۱۷۸۴ء، وفات سنہ ۱۸۳۰ء۔

طرہ امتیاز خیال کیے جاتے تھے۔ انگریزی کے علاوہ فارسی میں بھی معقول دستگاہ رکھتے تھے۔ جس کے حصول کے لیے دوران تعلیم میں خصوصی اہتمام ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ کچھ دن پہلے تک اس علاقے کی دفتری زبان فارسی تھی اور ریاستی کاروبار چلانے اور سرکاری دستاویزات کو سمجھنے کے لیے فرمانرواؤں کو اس زبان کا پورے طور پر جاننا از بس ضروری تھا۔۔۔ تعلیم کی کل منزلیں طے کرنے کے بعد ولیعہدی کے زمانے میں آپ کئی سال دہلی اور اس کے مضافات میں مقیم رہے۔ یہاں آپ کو اردو بول چال کے نکات سمجھنے اور برتنے اور اردو شعرا وادبا کی صحبتوں سے مستفیض ہونے کا خاطر خواہ موقع ملا۔ شعر وسخن سے طبیعت کو فطری مناسبت تھی۔ مادری زبان میں ابتدا ہی سے شعر کہتے تھے۔ قیام دہلی کے دوران اردو میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ قسمت سے آغا شاعر کا ایسا خضر راہ مل گیا۔ استاد نے بھی جی لگا کر محنت کی، شاگرد نے بھی پوری توجہ سے استفادہ کیا۔ چند ہی سال کی مشق میں یہ کمال حاصل ہوا کہ مشکل سے مشکل زمین میں بے تکان غزل کہنے لگے اور خوب کہنے لگے۔۔۔ اردو میں آپ نے کیا کیا اور کس قدر کہا ہے؟ اس کا صحیح اندازہ اب تک نہیں کیا جا سکا۔ تاہم ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک، پورے دس سال جستجو اور تلاش کے بعد دو ہزار سے زیادہ اشعار ہمیں مل سکے ہیں، جن میں تقریباً پانچ سو شعر، سلام، قصیدے اور مرثیے کے ہیں اور باقی غزلوں کے۔ اگرچہ آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن حسن بیان، زور کلام اور سلاست وروانی، ہر صنف میں یکساں پائی جاتی ہے۔ جو آپ کی استادانہ حیثیت اور کمال فن کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے۔

نازؔ مرحوم کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا تھا اور اس اعتبار سے وہ ماضی کے شاعر نہیں بلکہ ان کا شمار اردو کے شعرائے عصر جدید میں کیا جانا چاہیے۔ لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ اس قدر قریب العہد ہونے کے باوجود نازؔ کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ ہمارے عہد کے بہت کم تذکرہ نگاروں کو ہو سکا ہے۔ غالباً اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ شاعر ہونے کے ساتھ وہ اپنے زمانے کے سندھ کی سب سے بڑی ریاست "خیرپور" کے حکمراں بھی تھے اور ان کی شاعرانہ شخصیت ان کی حاکمانہ حیثیت میں دب کر رہ گئی تھی۔ والیان ریاست اور صاحبان حکومت کے ساتھ ادبی تاریخ میں ہمیشہ اس قسم کی ناانصافی کی گئی ہے ــــ یا تو ان کے کمال فن کو ان کے درباری شاعروں کی محنت اور خوشامد کا نتیجہ قرار دے دیا گیا ہے، جس طرح واجد علی شاہ اور نواب کلب علی خاں کے معاملے میں ہوا ــــ یا ان کے کارہائے حکومت نے لوگوں کی توجہ اس قدر اپنی طرف جذب کر لی ہے کہ ان کی شاعرانہ اور ادبی اہمیت دھندلی پڑ گئی، جس طرح بابر، ہمایوں، عالمگیر اور بیرم خاں وغیرہ۔ تاریخ کو یہ تو یاد رہا کہ وہ اپنے عہد کے نامور کشور کشاؤں اور سیاسی مدبروں میں تھے۔ مگر یہ بات یاد نہ رہی کہ انہیں قدرت نے شعر و ادب کی بھی بے نظیر صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ وقت آگیا ہے کہ نازؔ مرحوم کی شاعرانہ عظمت کا اسی طرح اعتراف کیا جائے جس طرح دوسرے اساتذہ فن کی عظمت و اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

نازؔ کی شاعری کا اصلی عنصر، غزل، یعنی شعر کی سب سے زیادہ آسان مگر سب سے زیادہ جامع، ہمہ گیر، مشکل اور پامال صنف ہے۔ غزل ہی سے کسی شاعر کے جذبات و احساسات کا اور سلیقے کے ساتھ ان کے ادا کرنے کی

قدرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ناز کا تغزل اور آہنگ تخیل نیز اردو غزل کی دنیا میں ان کا صحیح مقام کیا تھا! ان امور کی تشخیص تو قارئین کرام ہی بہتر طور طور پر کر سکیں گے۔ تاہم تاثرات کے ان گہرے نقوش کو کسی قدر ابھار دینا مناسب ہی ہوگا جو ناز مرحوم کے کلام کا کئی بار مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے صفحۂ دل پر ثبت ہوئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اپنے دل کی بات زبان پر لائیں، اپنے مطلب کی وضاحت کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول اردو غزل کے اُن دو مکاتب فکر کے بارے میں چند لفظ کہہ دیے جائیں جنہوں نے اردو غزل کے محاسن اور ان کو پرکھنے کے دو مختلف اور تقریباً متضاد پیمانے معین کیے ہیں اور جن کے مقرر کردہ اصول اردو شاعری کے پورے دبستان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اردو غزل گوئی کا ایک دبستان خیال تو وہ ہے جسے خارجیت کا علمبردار کہا جاتا ہے۔ اس مکتب فکر کی خصوصیات ہیں :۔ حسن بیاں کے ساتھ عشق و محبت کے خارجی پہلو کی تصویر کشی، محبوب کے جمال و خد، ناز و انداز، کرشمہ و جمال، اور غمزہ و ادا کا بیان ـــ اور پھر معاملات محبت کی ان داستانوں کی ترجمانی جو وجدان و روح کی بجائے نفس و جسم سے تعلق رکھتی ہیں ـــ یا پھر مبالغہ آرائی کے ساتھ طول ہجر، لذت وصل، معشوق کی سفاکی اور بے اعتنائی، عاشقوں کا قتل عام اور رسوائی، بزم محبوب میں رقیبوں کا ہجوم وغیرہ ـــ یا پھر اخلاقیات کی من حیث الاخلاق تعلیم و تلقین، اور قیاس منطق کے ڈھنگ پر شاعرانہ استدلال ـــ یا پھر الفاظ یا محاورات کی صحت استعمال کی کوشش اور اس میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ۔ یہ رنگ، اساتذہ تغزل کے ایک خاص طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔

سودا، انشا، جرأت، ناسخ اور خواجہ وزیر وغیرہ اس کے سرگروہ ہیں، اور
حق یہ ہے کہ زبان اور اسالیب بیان کے تحفظ میں ان کی یہ کوششیں حد درجہ
مشکور ہیں۔

غزل کے دوسرے مکتب فکر کی خصوصیات ہیں۔ محبت کی داخلی کیفیات
اور واردات قلبی کی ترجمانی، حقیقی عشق کی درجہ بدرجہ کیفیت کے ساتھ باطنی
سوز و گداز کا اظہار اور اپنی ذہنی اور وجدانی انفعالیت کا بیان۔ اس
طرز فکر کے ممتاز نمائندے میر و غالب اور مومن و اقبال وغیرہ ہیں۔
اردو غزل کے دونوں مکاتب فکر کی یہ تقسیم معنوی اور موضوعی اعتبار سے
کی گئی ہے ورنہ جہاں تک اسالیب بیان اور زبان کا تعلق ہے تو اس سلسلے
میں بھی دونوں مکتبوں کے خصوصیات الگ الگ ہیں۔ مثلاً پہلے مکتب کے
غزل گویوں نے غزل میں عموماً رنگین اردو اور سلیس زبان استعمال کی
ہے جب کہ دوسرے مکتب فکر میں غزل کی زبان فارسی آمیز، پُرشکوہ
اور جدت استعارات سے لبریز اور زیادہ گہری ہے۔

ناسخ کے تغزل میں خارجیت کا رنگ غالب ہے تاہم جا بجا انھوں
نے داخلی پہلو کو بھی اپنا موضوع فکر بنایا ہے۔ جس کے پیش نظر ایک حد تک
یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دونوں مکاتب فکر کے خصوصیات سے صرف
وہ نکتے منتخب کیے ہیں جنھیں مذاق سلیم قبول کرتا ہے اور پھر اکثر مقامات
پر ان کی ترکیب کچھ ایسے اچھوتے پن کے ساتھ کی ہے جس میں فلسفے سے
لے کر خارجی حسن و عشق کے توابع تک تقریباً ہر مطبوع اور پسندیدہ پہلو
موجود ہے۔ انداز بیان کچھ ایسا بین بین ہے جسے دونوں دبستانوں
کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لینے کو تیار ہیں۔ نہ اتنی پیچیدہ ترکیبیں ہیں جن سے

فکر چیں بہ جبیں ہو، نہ اس قدر مبتذل زبان ہے جس سے متانت پر حرف آئے
روزمرہ اور محاورے کی پابندی اتنی احتیاط کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہمیں ان
کے کلام میں ایک مثال بھی نہیں مل سکی، جس کی زبان ناقص یا ٹکسال باہر
ہو۔ فن کی موشگافیوں پر نازؔ نے اتنی گہری نظر ڈال کر شعر کہے ہیں کہ ان
کے مجموعہ کلام میں ایک مصرع بھی عروض و بلاغت کی سنگلاخ حدبندیوں
سے باہر نہیں۔ یہ کوئی محض رسمی تعریف نہیں، بلکہ فنی نقد و نظر کو ایک
صلائے عام ہے، جو اس اعتراف کمال کی مترادف ہے جس کا استحقاق
شاعر نے اپنی کاوش کی بدولت حاصل کیا ہے اور داد و تحسین سے بالاتر
ہے ـــ معنوی محاسن کے دوش بدوش صنائع لفظیہ کو جا بجا اس قدر
آمد اور روانی کے ساتھ برتا گیا ہے، جس سے مطالب و معانی، لفظوں
کی سیاہی میں چھپ کر نہیں رہ گئے۔ بلکہ اس خوبی نے ان کے بعض اشعار
کی دلکشی کو سحر کی حد تک پہنچا دیا ہے ـــ غرض وہ خصوصیات جو
مختلف المذاق اساتذہ اردو کے مایہ پسندیدگی خیال کیے جاتے ہیں، نازؔ
نے اپنی غزل میں سمو کر یکجا پیش کیے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا وصف ہے جو
کم از کم سندھ کے کسی اور اردو شاعر کو اس زبان کی ابتدا سے اس وقت تک
نصیب نہیں ہو سکا۔

نازؔ نے بعض غزلیں اساتذہ کی روندی ہوئی زمینوں میں بھی کہی ہیں،
جن میں اگلے اپنا پورا زور صرف کر گئے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے
ظاہرا کسی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑ گئے۔

باایں ہمہ نازؔ نے جب ان زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے تو نہایت اچھے
شعر نکالے ہیں۔ جس سے ان کی قدرت کلام کا اندازہ ہوتا ہے۔

نازؔ نے اپنی غزلوں میں جابجا ایسے مشکل قوافی بھی نظم کیے ہیں جن کی گنجائش بظاہر رنگِ تغزل میں نظر نہیں آتی۔ اس قسم کے اشعار سے ان کی کہنہ مشقی اور پختگیٔ فن کا یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے، مثلاً ایک جگہ انہوں نے "دل گیا۔ بسمل گیا" کی زمین میں "چھِل گیا" کا قافیہ ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ نظم کر دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، یہ قافیہ غزل ہی کے لیے بنا ہے، حالانکہ نفس الامر میں یہ غزل کا قافیہ نہیں۔ کہتے ہیں:۔

نشۂ الفت جھلکتا ہے کسی کی آنکھ میں　　　پھر ہمارے زخم کا انگور شاید چھِل گیا

نازؔ بے شک اردو کے ایک باکمال شاعر، اور اصولِ فن کو پورے طور پر برتنے کے اعتبار سے ایک پختہ کار استاد تھے۔ انہوں نے معمولی سے معمولی مضمون کے لیے بھی، لفظوں کے انتخاب میں ان دقیق پہلوؤں پر نظر رکھی ہے جہاں تک عام نگاہیں نہیں پہنچتیں۔ ان کے کلیات کا سب سے پہلا شعر لیجیے جس میں الفاظ کی دروبست اس خوبی کے ساتھ کی گئی ہے کہ سبحان اللہ فرماتے ہیں:

ناقص سے کیا بیاں ہو یارب کمال تیرا
خورشید ماہ میں ہے جاہ و جلال تیرا

مصرعِ اول میں "ناقص" اور "کمال" کا اجتماع فقط صنعتِ تضاد ہی کی بے نظیر مثال پیش نہیں کرتا بلکہ بندگی اور ربوبیت کی اٹل حقیقتوں پر بھی روشنی ڈالتا ہے، اگرچہ اس جگہ "ناقص" کے بجائے "بندے" کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے:۔

بندے سے کیا بیاں ہو یارب کمال تیرا

مگر سخن شناس حضرات جانتے ہیں کہ "کمال" کی نسبت سے "ناقص" نہ صرف لفظاً مزہ دے رہا ہے، بلکہ معناً بھی عبدیت کے بھرپور اقرار و اعتراف کا حامل ہے،

دوسرے مصرعے میں لف و نشر مرتب، کچھ ایسی بے تکلفی کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے کہ بیک نظر اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

جس غزل کا یہ مصرع ہے، اس کا مقطع سنیے:۔

گیسو کی الجھنوں سے اک نازؔ کو نکالا　　　احسان مند یارب ہے بال بال تیرا

"گیسو کی الجھنیں" اور "بال بال" ایہام تناسب، مراعاۃ النظیر اور محاورے کے برمحل استعمال کی بہترین مثال ہے۔ مگر یہ شعر سن کر اور اس کی روانی اور سلاست کو دیکھ کر کون خیال کر سکتا ہے کہ یہ مصرع صنعت گری کے التزام میں کہا گیا ہے۔

یہ ہے نازؔ کی غزل اور ان کا تغزل، جس کے پیش نظر ببانگ دہل یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ وہ اردو زبان کے ان شاعروں کی صف میں شامل کیے جانے کے مستحق ہیں جن کی بندشوں سے حسن بندش کا اور جن کی زبان سے شیریں زبانی کے اسلوبوں کا درس حاصل کیا جاتا ہے، اگرچہ تخیل کے اعتبار سے وہ بھی اپنے معاصرین کی طرح اسی فضا میں پرواز کرتے ہیں جو آپ کے پیشرووں کی طائر فکر کی جولاں گاہ تھی، مگر زبان کی شیرینی، طرز ادا کی دلکشی اور بندش کے استحکام میں آپ کا کلام اس درجے تک پہنچا ہوا ہے کہ اگر ان کی غزل کے اشعار مسلم الثبوت اور اہل زبان اساتذہ کے کلام میں مخلوط کر دیے جائیں تو مشاق اہل ذوق بھی اس بات کی حد بندی آسانی سے نہیں کر سکیں گے کہ کون سا شعر زبان اردو کے کسی کامل الفن استاد کا ہے اور کون سا اس ہندی النسل شاعر کا۔

نازؔ مرحوم کی شاعری کا ایک اہم ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی شاعری کا بیشتر حصہ آپ کی زندگی کے واقعات اور طبیعت کے رجحانات سے ہم آہنگ

نظر آتا ہے۔ اگر ایک طرف آپ نے ۱۹۲۱ء میں مسند ریاست پر متمکن ہونے کے بعد اپنے حدود اختیار میں غریب اور پسماندہ ہاریوں اور مزدوروں کی تکالیف دور کرنے کے لیے سب سے پہلا یہ حکم نافذ کیا کہ بیگار لینے کی رسم جو یہاں ایک مدت سے رائج ہے اسے فی الفور قطعی طور پر بند کر دیا جائے اور مزارعین کی اصلاح و فلاح کے لیے امدادی انجمنیں قائم کی جائیں تو دوسری جانب اپنی غزلوں میں بھی جابجا ایسے خیالات کا اظہار کیا جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ آپ تہہ دل سے انسانی مساوات اور تمام بنی نوع سے ہمدردی کے قائل تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

مجھے پابند کر انصاف کا۔ احساں کی خو دے

کھلے با ادب مرے ہاتھوں سے دروازہ عدالت کا

مری دریا دلی سے چشمہائے فیض جاری ہوں

غریبوں کی خبر گیری ثمر ہو میری دولت کا

مری بیکس نوازی کا بجے ڈنکا زمانے میں

رہے سکہ مرے دینار و درہم پہ شرافت کا

کسی کا دل تو کیا لوٹے نہ مجھ سے مے کا شیشہ بھی

نہ پائے استقامت لڑکھڑائے میری نیت کا

غریبوں کی حمایت میں ملے وہ حیدری جذبہ

کہ دم میں سر کچل ڈالوں اژدر کبر و رعونت کا

ان اشعار سے صاف پتہ چلتا ہے کہ میر صاحب وسعت قلب اور وسعت نظر کے اعتبار سے بھی، جو پسندیدہ اور کارآمد شاعری کے سرچشمے ہیں، اسی مقام پر فائز تھے، جو درجہ وسعت اختیارات کے لحاظ سے انہیں حاصل تھا۔

ازالۂ غلط فہمی

ہمارے بعض احباب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایک سندھی نژاد (نازؔ مرحوم) نے اردو شاعری کے ماحول سے کوسوں دور ہونے کے باوجود کس طرح اس زبان میں ایسا بہترین کلام کہہ لیا جو اردو کے مزاجدانوں کی نگاہ میں کسی پہلو سے محل نظر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جبکہ امیر خسرؔو، ابو الفضل، فیضی، اقبال، اور ان کے ایسے بہت سے ہندی نژادوں کی معتبر اور ٹکسالی فارسی کے بے شمار نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں جو فارسی کے اہل زبان سے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی اور اردو کی طرح سندھی اور اردو میں بھی ناقابل انکار حقائق کی بنا پر اصل و نسل کے اعتبار سے باہم جو رشتہ ہے، اس نے ان دونوں کے خط و خال میں اس قدر یکسانیت اور مماثلت پیدا کر دی ہے، جس کے پیش نظر ایک سندھی النسل ادیب میں اردو زبان کو اس کے لطیف نکات کے ساتھ برتنے کا سلیقہ پایا جانا اور نظم و نثر اردو میں استادانہ کمال پیدا کر لینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نازؔ کے علاوہ بھی ہم نے سندھ کے متعدد شاعروں کا اردو کلام دیکھا ہے جس کی زبان اور اسلوب بیان وہی ہے جو ان کے عہد میں برصغیر کے دوسرے شعرائے اردو کا تھا۔ مرزا قلیچ بیگ مرحوم (حیدر آباد) نے سندھی زبان کا شاعر ہونے کے باوجود اردو کے بھی بہترین اشعار کہے ہیں اور ڈرامے لکھے ہیں۔ ان سے بھی بہت پہلے شاہجہاں کے عہد میں عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی نے اردو کے بہت سے اشعار کہے ہیں جو سندھی ادبی بورڈ نے ان کے کلیات میں شائع کیے ہیں۔ اسی طرح مخدوم صوفی محمد معین بیراگی، سرفراز عباسی کلہوڑا اور سچلؔ سرمست وغیرہ نے اردو میں کافی غزلیں کہی ہیں۔ جو بڑی حد تک ویسی ہی ہیں

جیسی کہ ان کے ہم عصر شاعروں کی ۔ بقول مولانا سلیمان ندوی یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ علمی و ادبی زبان کی حیثیت سے اردو کی نشوو نما کہیں بھی ہوئی ہو مگر تخلیقی زاویہ نگاہ سے اس کی پہلی اینٹ یقیناً سندھ ہی میں رکھی گئی تھی۔ جہاں اب سے بہت پہلے، اوّل اوّل مشرق کی دو عظیم سماجی قوتوں، آریائی اور سامی تہذیبوں کا تعارف ہوا تھا۔ یہ کیونکہ مان لیا جائے کہ وہ عرب جنہوں نے برصغیر میں پہلا قدم رکھا تھا، انہیں اس سرزمین کے لوگوں سے بات کرنے تک کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو اور یہاں سے چھلانگ مار کر سیدھے برج یا دکن کے علاقے میں پہنچ گئے ہوں۔ اور وہاں مقامی لوگوں کے ساتھ ان کے اختلاط سے اردو زبان کی بنیاد پڑی ہو۔ ظاہر ہے کہ جب عرب سندھ کے ساحل پر اترے ہوں گے اور انہوں نے محمد بن قاسم کی فتحمندانہ قیادت کے تحت سندھ میں (جو اس وقت ملتان تک پھیلا ہوا تھا) اپنی باضابطہ حکومت قائم کی ہو گی تو انہیں اس کی بھی ضرورت پڑی ہو گی کہ داعی و رعایا کے درمیان قریبی اور گہرے تعلقات قائم کرنے اور دو اجنبی قوموں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کے لیے ایک مشترکہ ذریعہ مفاہمت اختیار کریں۔ یعنی ایک ایسی زبان تشکیل کی جائے جو فاتحین و مفتوحین دونوں کی سمجھ میں آجائے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں سیاسی اور سماجی تقاضوں کے تحت فوری طور پر ایک نئی بولی، یا کم سے کم بول چال کے نئے الفاظ وجود میں آئے ہوں گے۔ جنہوں نے آگے چل کر رفتہ رفتہ اردو کی صورت اختیار کر لی۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری میں سندھ کے سیاسی و تمدنی انقلاب نے ایک ایک ایسے معاشرے کی بنیاد ڈالی جس کا ثمر پیش رس، اردو ہے۔ اگرچہ اردو کے بعض تذکرہ نگاروں نے اس زبان کی نشوونما کا سہرا، برج بھاشا یا کھڑی بولی کے سر باندھنے کی

کوشش کی ہے لیکن جس طرح لسانیات کے اصول مسلم ہیں اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ ان اصولوں کو واقعات کے خلاف نہیں برتا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مخصوص طور پر اس زبان کا سرچشمہ دہیں سے پھوٹتا ہوا دکھائی دے۔ لیکن تاریخی مواد کو سامنے رکھ کر جب بھی اس حقیقت پر غور کیا جاتا ہے تو استنباط و اجتہاد کی قوتیں اسی ایک دائرے میں گردش کرتی دکھائی دیتی ہیں کہ بِرِج کوجیک کی اس ہمہ گیر زبان کا سب سے پہلا خاکہ ، دو قوموں کے سنگم، یعنی سندھ، ہی کے ریگستان میں مرتب ہوا تھا پچھلی چند صدیوں میں برکوجیک کی اس مشترک مفاہمتی بولی نے ملک کے وسیع علاقوں کا دورہ کیا اور مغربی و شمالی سرزمین سے گزر کر بندھیاچل کے اس پار تک جا پہنچی، جہاں اس نے دکن میں نیا رنگ روپ اختیار کیا، شاہجہاں اعظم کے عہد میں اس نئی چلی زبان کو اردوئے معلیٰ کا لقب بخشا گیا اور اسی وقت برصغیر کے گوشے گوشے میں اردو کی عظمت کا پرچم لہرانے لگا اس مدت میں اردو جس چھوٹے سے چھوٹے علاقے میں بھی سیر کرتی ہوئی پہنچی، وہاں کی آب و ہوا، اور ماحول نے اس کے نگارخانے میں اپنا کچھ نہ کچھ رنگ بھر دینے کی کوشش کی جس سے اس کے خال و خط میں بے شمار تغیرات ہوتے رہے۔ بایں ہمہ جب یہ پورے ملک میں ہر پھر کر، پھر سندھ میں پہنچی اور تشکیل پاکستان کے موقع پر کراچی کے دارالخلافہ میں سندھی سے بغلگیر ہوئی تو ارباب نظر نے دیکھا اور پہچانا کہ وہ ابتدائی نقوش جو روز ازل اسے سندھ کی سرزمین نے بخشے تھے، کئی سو برس کی مسلسل گردش کے باوجود اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس کی شکل و صورت میں جلوہ گر ہیں۔ چنانچہ آج جب ہم اردو کے ذخیرۂ الفاظ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے اسماء و صفات اور افعال و روابط قدم قدم

پر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ جس وقت نو وارد اور مقامی اصحاب کے اختلاط سے ایک نئی زبان بننے لگی تھی اور اسے میزبانوں اور مہمانوں کی بولیوں سے ہر قسم کے الفاظ مانگنے کی ضرورت پیش آئی تھی تو عرب نے اسے محدود اور مختصر اسماء و صفات دے کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا اور اپنے افعال و روابط سے کوئی حصہ نہیں دیا تھا۔ حالانکہ عرب کے اس عطیے میں کچھ سکے ایسے بھی تھے جو خود انھوں نے سندھ سے مستعار لے کر بالکل اپنا لیے تھے۔ مگر سندھ نے اپنی عالی ظرفی سے بڑی دریادلی کے ساتھ اردو کو ہر قسم کے الفاظ دے ڈالے تھے۔ جو کسی نہ کسی صورت میں آج تک اس کے سرمائے میں محفوظ ہیں ان کے علاوہ بہت سے ایسے الفاظ بھی ہیں جو سندھی نے انیسویں صدی کے وسط میں اپنی تشکیلِ نو کے بعد برصغیر کی دوسری زبانوں سے مستعار لیے اور ساتھ ہی حسنِ اتفاق سے ان ہی الفاظ کو اردو نے بھی اپنایا۔ جس سے ان دونوں زبانوں کی سابقہ مماثلت میں اور پختگی اور اگلی یکسانیت میں مزید استواری پیدا ہو گئی۔

سندھی اور اردو لفظوں کی مماثلت

مثال کے طور پر ذیل میں ہر قسم کے چند الفاظ درج کیے جاتے ہیں، جو اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں کہ اردو اور سندھی زبانیں، بعض الفاظ کے اعتبار سے ایک دوسری کی سگی بہنیں ہیں لیکن بعض اردو الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے مصادر و ماخذ کی جستجو کی جائے تو بلا حیل حجت اردو کو سندھی کی مادرانہ حیثیت تسلیم کرنا پڑے گی۔ مثال کے طور پر:-

اسمائے ذات

سندھی میں برادر کو "بھاؤ" (یا لُو) کہا جاتا ہے، اردو میں اسے بھائی کہتے ہیں۔ سندھ کے لوگ ہمشیرہ کو بھینڑ (بھیٹ) کہتے ہیں، اردو میں بہن۔ کٹھو (کٹھو) مجتمع ہونے کے معنی میں،

سندھی ہے، جو اردو میں (اکھٹا) بولا جاتا ہے ــــ چھوکرا (چوکرا) اور چھوکری (چھوکري) سندھی الاصل ہیں جو کہ اردو کی عوامی بولی میں بلا تکلف بغیر کسی تبدیلی کے استعمال کیے جاتے ہیں ــــ سندھی میں آب کو پانڑی (پاڻي) بولتے ہیں، اردو میں پانی ــــ مکان کے پٹاؤ کو، جو دیواروں پر کڑیاں رکھ کر سائے کے لیے ڈالا جاتا ہے، اردو والے "چھت" کہتے ہیں، سندھی میں یہی لفظ چھت (ڇت) ہے ــــ سندھی میں کپڑو، کپڑا (ڪپڙو، ڪپڙا) کہا جاتا ہے، اردو میں صرف کپڑا بولتے ہیں ــــ سندھی میں "گئوں" (ڳئون) ہے اور اردو میں گائے ــــ سندھی میں گھوڑو (گھوڙو) بولا جاتا ہے، اردو میں گھوڑا ــــ سندھی میں پلنگ کو "کھٹ" (کٽ) کہتے ہیں، اردو میں کھاٹ ــــ سندھی میں اناج کے برادے کا نام "آٹو" (اٽو) ہے، اردو میں آٹا۔

غرض کہ اردو میں آج لاتعداد اسمائے ذات ایسے ہیں جو سندھی لفظوں سے کامل مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کی فراوانی کا اندازہ کرنے کے لیے صرف ایک جسم انسانی کو لے لیجیے۔ اس کے اعضا کے ناموں میں ساٹھ ستر فی صد ایسے الفاظ ملیں گے جو سندھی سے ملتے جلتے ہیں ــــ سندھی میں "متھو" (متو) کہتے ہیں، اردو میں ماتھا ــــ سندھی میں "نک" (نڪ) اردو میں ناک ــــ سندھی میں "کن" (ڪن)، اردو میں کان ــــ سندھی میں "اکھ" (اک) اردو میں آنکھ ــــ سندھی میں "بھروں" (ڀرون) اردو میں بھوں ــــ سندھی میں "مچھ" (مڇ) اردو میں مونچھ ــــ سندھی میں "ڈاڑھی" (ڏاڙهي) اردو میں داڑھی ــــ سندھی میں "جیبھ" (جيڀ) اردو میں جیب ــــ سندھی میں "گلو" (گلو) اردو میں گلا ــــ سندھی میں "بانہن" (ٻانھن) اردو میں بانھ

۔ سندھی میں "ہتھ" (ھٿ) اردو میں ہاتھ ۔ سندھی میں "آنگر" (آڱر) اردو میں اُنگلی ۔ سندھی میں "انگوٹھو" (آڱوٺو) اردو میں انگوٹھا ۔ سندھی میں "پٹھی" (پٺي) اردو میں پیٹھ ۔ سندھی (بولنے کی زبان) میں "ٹنگھ"ع (ٽنگ) اردو میں ٹانگ ۔ کئی اعضائے جسم کے سندھی نام جوں کے توں اردو میں بولے جاتے ہیں۔ مثلاً چھاتی (ڇاتي) پیٹ (پيٽ) اور پیر (پير) تینوں سندھی زبان کے لفظ ہیں۔ جو بلا کسی تبدیلی کے اردو میں مستعمل ہیں۔

اسمائے صفات یہ اسمائے ذات کی مثالیں تھیں، اب اسمائے صفات میں اردو اور سندھی لفظوں کی یکسانیت دیکھیے ۔

سندھی میں شیریں کو "مٹھو" (مٺو) کہتے ہیں اردو میں میٹھا ۔ سندھی میں سیاہ رنگ کو "کارو" (ڪارو) کہتے ہیں اردو میں کالا ۔ سندھی میں آسمان کے رنگ کو "نیرو" (نيرو) کہتے ہیں اردو میں نیلا ۔ سندھی میں گیندے کے پھول کا رنگ "پیلو" (پيلو) کہلاتا ہے، اردو میں پیلا۔

اسمائے اعداد اردو کے اسمائے اعداد پر نظر ڈالیے تو بیشتر سندھی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ سندھی میں "ھِک" (هڪ) کہتے ہیں، اردو میں ایک ۔ سندھی میں دو کو "بہ" (ٻه) کہتے ہیں، اردو میں بائیس، بتیس، بیالیس، اور باسٹھ وغیرہ میں یہی "ب" (ٻ) ہے جو دو کے معنی دے رہا ہے ۔ سندھی میں "ٹرے" (ٽي) اردو میں تین ۔ سندھی کا "چار" (چار) اردو میں بغیر کسی ترمیم کے چار ہی بولا جاتا ہے ۔ سندھی

ع کتابی زبان میں ٹانگ کو ٹنگہ کہتے ہیں۔

میں "پنج" (پنج) اردو میں پانچ ۔ سندھی میں چھ، ست (چھ، ست) اردو میں چھ اور سات ۔ سندھی میں اٹھ، نو (اٹ، نو) اردو میں آٹھ اور نو ۔ سندھی میں ڈھ (ڏھ) اردو میں دس۔

ضمائر اب ضمیروں کو دیکھیے تو وہ بھی دونوں زبانوں کے نمایاں تماثل کی طرف رہ نمائی کرتی ہیں ۔ سندھی میں واحد متکلم کے لیے "ماں" (مان) بولتے ہیں، اردو میں اس موقع پر "میں" بولا جاتا ہے۔ ۔ سندھی میں واحد حاضر کی ضمیر "توں" (تون) ہے اردو میں تو ۔ سندھی میں واحد غائب اور اشارہ قریب کے لیے "ہو" اور "ہے" (ھو، ھي) بولا جاتا ہے، اردو میں ان دونوں کو الٹ کر "وہ اور یہ" بولتے ہیں۔

افعال جہاں تک فعلوں کا تعلق ہے، اردو کے تقریباً ستر اسّی فی صد افعال سندھی سے ہم آہنگ ہیں، مثلاً: سندھی میں کام انجام دینے کے لیے "کرنٹر" (کرڻ) بولا جاتا ہے، اردو میں کرنا ۔ سندھی میں ایک دوسرے کے پاس آنے کو "ملنٹر" (ملڻ) کہتے ہیں، اردو ملنا ۔ سندھی میں کسی کام کیے وجود میں آنے کو "ہُننٹر" (ھئڻ) کہتے ہیں، اردو میں ہونا ۔ سندھی میں تحریر کرنے کا نام "لکھنٹر" (لکڻ) ہے اردو میں لکھنا ۔ نوش کرنے کو سندھی میں "کھائنٹر" (کائڻ) کہتے ہیں اردو میں کھانا ۔ سندھی میں پانی یا کوئی دوسرا شربت حلق سے اتارنے کو "پیئنٹر" (پيئڻ) کہا جاتا ہے، اردو میں پینا ۔ سندھی میں کوئی چیز دوسرے شخص کی طرف بڑھانے کو "ڈِینٹر" (ڏيڻ) کہتے ہیں، اردو میں دینا۔ ۔ سندھی میں حرکت کرنے، چلنے اور گھومنے کو "پھرنٹر" (ڦرڻ) کہتے ہیں، اردو میں پھرنا ۔ سندھی میں بیٹھے ہونے کی حالت کے بعد کھڑے ہو جانے

کو "اٹھنڑ" (اٹھڻ) کہا جاتا ہے، اردو میں اٹھنا۔ سندھی میں کسی بات کا مقصد اور مطلب جان لینے کو "سمجھنڑ" (سمجھڻ) کہتے ہیں، اردو میں سمجھنا۔ سندھی میں چکر لگانے کو "گھمنڑ" (گھمڻ) کہتے ہیں، اردو گھومنا۔ سندھی میں مطالعہ کرنے کو "پڑھنڑ" (پڙھڻ) بولا جاتا ہے، اردو میں پڑھنا۔ سندھی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاکر رکنے کو "پہچنڑ" (پهچڻ) کہا جاتا ہے، اردو میں پہنچنا۔ غرض اردو میں کم فعل ایسے نکلیں گے جو سندھی الفاظ سے صوتی تشابہ کا رشتہ نہیں رکھتے۔ اور اس سے بغیر کسی اور دلیل کے خود بخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان میں ایک اصل ہے اور دوسرا اس کی نقل، جس کے لباس ظاہری میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دی گئی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر کوئی شخص یہ کہے کہ ان دونوں ہی زبانوں کی اصل، بھارت کی ایک اور زبان ہے جسے سنسکرت یا پراکرت کہتے ہیں۔ تو ہم خود ہی اس دعوے کو بغیر کسی ثبوت کے تسلیم کیے لیتے ہیں، اس سے ہمارے مطلب کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ سندھ میں آنے والے عرب، چھلانگ مار کر برصغیر کے دور دراز علاقوں میں نہیں پہنچ گئے تھے۔ جہاں سنسکرت یا پراکرت کے ساتھ عربی کے اختلاط نے نئی زبان کی بنیاد ڈالی۔ بلکہ بہر حال یہی ہوا ہوگا (بلکہ ہوا ہے) کہ وہ الفاظ جن کی اصل و نسل کا سلسلہ سنسکرت یا پراکرت سے ملتا ہے، اول سندھ کے علاقے کی زبان نے مستعار لیے ہوں گے اور پھر یہاں کی زبان میں عربی کی آمیزش سے اردو کی اساس مرتب ہوئی ہوگی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو قرائن صارفہ سے جن کی جانب

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے، اور اردو کی تخلیق کا پس منظر اس کے ماسوا کسی اور حقیقت کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

روابط اور حروف

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ ہم اردو اور سندھی کے مماثل الصوت الفاظ کا نمونہ پیش کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں اسموں اور فعلوں کا جائزہ لینے کے بعد اب روابط و حروف کی باری آتی ہے۔ اگرچہ اردو کے نقشے میں سندھی کے حروف و روابط سے یکسانیت اور مماثلت کے نشانات اسموں اور فعلوں کی بہ نسبت کم نظر آتے ہیں، تاہم یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اردو اور سندھی کے روابط کو باہم کوئی رابطہ اور لگاؤ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں "جوں" اور "توں" بولتے ہیں۔ سندھی میں جئیں (جیئیں) اور "تئیں" (تیئیں)۔ "نہ" (نہ) سندھی کا رابطہ ہے اور اردو میں "نہ" بھی بولتے ہیں اور اسی سے "نہیں" بنا لیا گیا ہے ۔۔۔ "سو" اردو کے قدیم لٹریچر میں جابجا ملتا ہے، سندھی میں اب بھی بولا جاتا ہے ۔۔۔ "جب" اور "کب" اردو میں بولے جاتے ہیں، جو سندھی کے "جڈھیں" (جڈھیں) اور "کڈھیں" (کڈھیں) سے بالکل مشابہ ہیں ۔۔۔ سندھی میں زمانے کی حد بتانے کے لیے "تائیں" (تائیں) بولتے ہیں۔ اردو میں یہ لفظ قدما کی زبانوں پر تھا۔ اور آج بھی "تک" اسی کی تبدیل شدہ صورت ہے ۔۔۔ سوال کرنے کے موقع پر سندھی میں "چھا" (چا) اور "چھو" (چو) بولتے ہیں۔ اردو میں یہ مفہوم "کیا۔ کیوں" کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے۔

سندھی اور اردو لفظوں کا اس طرح جائزہ لینے کے بعد ان دونوں زبانوں کی نہ صرف قرابت قریبہ کا پتہ چلتا ہے، بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا

ہے کہ ان میں سے لاحق نے سابق سے ضرور استفادہ کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں میں شکل و صورت کے علاوہ مزاج کے اعتبار سے بھی اس قدر یکسانیت پائی جاتی ہے جو الفاظ سے گزر کر بعض مقامات پہ زبان کے قواعد میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ کہ سندھی میں اکثر و بیشتر اسموں کی جمع "وں" کے اضافے سے بنتی ہے۔ جیسے کھٹ (کٹ)، سے کھٹوں (کٹوں)۔ اردو میں بھی مرد سے مردوں اور عورت سے عورتوں اسی قاعدے کے تحت بناتے ہیں۔

اردو کے سندھی نثر اور ادیب

اردو اور سندھی زبانوں کی اس گہری مشابہت اور یکسانیت کے بعد یہ بات ذرا بھی تعجب خیز نہیں کہ سندھ میں ایسے ادیب پیدا ہوئے جو سندھی کے صاحب طرز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو نثر و نظم میں بھی غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔ ماضی کو چھوڑ کر حال کے آئینے میں اس حقیقت کو دیکھیے تو آج بھی آپ کو سندھی ادبا میں ایسے متعدد اشخاص ملیں گے جو اردو نظم یا نثر میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ عبداللہ عبد[1]، حکیم فتح محمد سیوانی۔ حکیم احسن[2]، ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل[3]، رشید لاشاری[4]، سید منظور نقوی[5]، پروفیسر عطا محمد حامی[6]، کریم بخش خالد[7]، شیخ ایاز[8]، صاحبزادہ میر غلام حسن خاں احسن ٹالپر[9] اور پیر سید

(۱) اسسٹنٹ ڈائرکٹر ایجوکیشن کراچی (۲) سابق رکن انجمن ترقی اردو سابق میئر کراچی کارپوریشن (۳) آف حیدرآباد (۴) آپ نے شاہ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے (۵) حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن (۶) ممتاز کالج خیرپور (۷) اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ تعلقات عامہ مغربی پاکستان۔ آپ کے متعدد اردو مضامین ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں (۸) آپ نے شاہ کے کل کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو سندھ یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے (۹) آپ خیرپور میرس کے سابق حکمران ٹالپر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ادر حال ہی میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

حسام الدین راشدی[ؒ]، اردو کے اچھے اہل قلم اور ادیب ہیں۔ اس مقام پر یہ خیال کر لینا درست نہ ہوگا کہ یہ سب اردو کے قومی زبان قرار دیے جانے کے بعد اس وادی میں گامزن ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض، مثلاً عبدالله عبد، کا کلام ۱۹۳۲-۳۳ء میں ہم نے یو پی کے مشہور اردو رسائل میں دیکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مطبوعہ اشاریے سے یہ بھی اندازہ ہوا تھا کہ آپ نوح ناروی سے بذریعہ خط و کتابت اصلاح لیتے ہیں ـــ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ ان تمام ادیبوں نے ابھی پانچ سات برس سے اردو شاعری اور مضمون نگاری شروع کی ہے تو اس سے بھی ہمارے اس مقصد کو، کہ اردو اور سندھی زبانوں میں بہت قریبی رشتہ اور بہت گہری مماثلت و یکسانیت ہے، کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ زبان غیر میں پانچ یا سات سال کی قلیل مدت میں کوئی ذہین سے ذہین شخص بھی اس قدر قدرت حاصل نہیں کر سکتا کہ اس زبان کا خوش گو اور خوش بیان شاعر یا مضمون نگار ہو جائے۔

اگر ہم اپنے مطالعے کا رخ پیچھے کی جانب موڑ کر انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں پہنچ جائیں تو اس وقت بھی ہمیں سندھ کے مختلف علاقوں میں اردو شاعری کے نشانات ملتے ہیں ـــ چنانچہ خیرپور میرس کی ریاست میں سید علی رضا شاہ اور سید علی شاہ کے بزرگ اردو کے قصائد اور مناقب نظم کرنے میں کافی دستگاہ رکھتے تھے، جن کا کلام

[ؒ] سندھ کے مشہور محقق جنہوں نے اردو میں متعدد کتابیں اور رسائل لکھے ہیں اور ان کی ایک معرکۃ الآرا کتاب میر معصوم بکھری زیر طبع ہے۔

اب بھی بہت سے ذی علم حضرات کے سینوں میں محفوظ ہے اور مجالس و محافل میں پڑھا جاتا ہے۔ خیرپور میرس کی سابق ریاست کے "لمے جی"، عبدالحسین جعفری اپنے ایک مقالے میں (جو" خیرپور اور اردو علم و ادب" کے عنوان سے شائع ہوا تھا) لکھتے ہیں کہ:

اس علاقے میں تقسیم ہند سے بہت پہلے، اردو شاعری کا کافی چرچا تھا، اور دہلی و لکھنؤ وغیرہ کے اکثر مشاہیر شعراء ریاست میں بلوائے جاتے تھے۔ جن میں شمیم امروہوی، ذاخر لکھنوی، آغا شاعر قزلباش اور حسرت موہانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جعفری صاحب نے شمیم امروہوی کے مرثیے کا ایک بند بھی نقل کیا ہے۔ جو انھوں نے خیرپور میں کہا تھا۔ اس بند کی بیت یہ ہے:-

ہر شخص اہل دل ہے عجب یاں کی سیر ہے
یہ خیرپور اصل میں بصرپور خیر ہے

غرض ان حقائق اور واقعات اور اس تاریخی پس منظر سے، اس بات کا کافی ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ سندھ کے باشندوں نے تقریباً ہر دور میں اردو کو اپنایا ہے اور اس زبان کی شاعری میں، استادانہ تیوروں کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ اسی مشق و مہارت اور قدرت کلام کا ایک واضح نمونہ نازؔ مرحوم کا زیر نظر کلیات ہے جو ان کے عہد کے مسلم الثبوت استادوں کے معیار سے کسی طرح فروتر نہیں۔

حیات نازؔ

میر علی نواز کی پیدائش اور تعلیم و تربیت کے مختصر حالات، تعارف

کے ذیل میں لکھے جا چکے ہیں جو تمام تر آپ کے زمانۂ ولیعہدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۸ فروری ۱۹۳۱ء کو آپ کے والد میر امام بخش خاں ٹالپر نے وفات پائی جس کے بعد ۱۳ فروری کو آپ کی دستار بندی عمل میں آئی اور ۱۵ جون کو فیض محل (خیرپور میرس)[1] میں تخت نشینی کی رسوم بڑی شان و شوکت سے ادا کی گئی۔ اس موقع پر مسٹر منٹگمری پولٹیکل ایجنٹ نے برطانیہ کی نیابت میں تقریر کی۔ جس کا جواب دیتے ہوئے میر علی نواز ناز نے ایک نہایت فاضلانہ خطبہ دیا۔ جس میں رسمی باتوں کے بعد آپ نے کہا کہ میں ان ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں ہوں جو قسمت نے مجھ پر عائد کی ہیں۔ جہاں تک میری عزیز رعایا کی خوش حالی اور بہبود کا تعلق ہے تو اس امر کا یاد دلانا غیر ضروری ہے کہ اس مقصد کا حصول خود میرا مقصودِ حیات ہے۔ میں نے حکم دے دیا ہے کہ بیگار کی رسم کو قطعاً بند کر دیا جائے، اس حکم کے نفاذ کا فوری نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ سیکڑوں ہزاروں ہاری جو اس ظالمانہ رسم کی بدولت ریاست سے ہجرت کر گئے تھے پھر واپس آ گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں واپس آ کر انھوں نے بچشم خود دیکھ لیا ہو گا کہ ریاست کی زندگی میں کس قدر خوش گوار انقلاب رونما ہو گیا ہے ___ میر صاحب نے کہا کہ میری سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ زراعت پیشہ طبقے کی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ کیونکہ ریاستی آبادی میں اکثریت انھیں کی ہے۔ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نے امدادی انجمنیں قائم کرنے کی طرف حکام ریاست کی توجہ مبذول کرائی

---

[1] خیرپور میرس کا شاندار شاہی محل۔

ہے اور یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اس کارِ خیر میں حکام و رعایا دونوں باہمی تعاون کی اعلیٰ مثال پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی مدد سے اگر یہ اسکیم کامیاب ہو گئی تو دیہات کے باشندے بہت جلد خوش حال اور فکرِ معیشت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

میر صاحب نے فرمایا کہ نہر سکھر کا منصوبہ (جس کی تکمیل کے بعد ریاست کے کل ریگستانی علاقے سرسبز و شاداب نخلستان بن جائیں گے) ہمارے لیے نہایت خوش آئند ہے۔ اور ہمیں اس کے عظیم فوائد کا بخوبی اندازہ ہے۔ میں نے حکم دے دیا ہے کہ ریاست کے جنوبی حصے کی آبپاشی کے لیے اس نہر سے ایک اور نہر نکالی جائے۔ جس کا طول پچیس میل ہوگا۔ اور جس کی تیاری پر خزانۂ ریاست سے ایک لاکھ روپیہ صرف کیا جائے گا۔ اس نہر کی تکمیل سے دس ہزار ایکڑ زمین سیراب ہوگی۔

اصلاحات

میر علی نواز خاں کے وزیر شیخ محمد قادر اور نائب وزیر شیخ شبیر علی تھے۔ جو ریاست خیرپور میرس کی نائب وزارت سے قبل سانگھڑ میں تحصیلدار تھے۔ ہز ہائی نس نے برسرِ اقتدار آتے ہی تولا رام کو اراضیات کے حقوق کی جانچ پڑتال کے لیے افسر تحقیقات مقرر کیا۔ عبدالمجید درویشانی، ایم۔ اے کو خیرپور ہائی اسکول کا پرنسپل بنایا گیا۔ اسی وقت اسکول کا نام ناز ہائی اسکول رکھا گیا۔ درویشانی اس سے قبل بھی اس عہدے پر مامور رہ چکے تھے۔ متھا رام کو سپرنٹنڈنٹ محکمہ مردم شماری مقرر کیا گیا۔ یہ پہلے بھی ریاستی ملازمت میں تھے۔ اسی طرح گیان چند کو امدادی انجمنوں کی نگرانی سپرد کی گئی۔ غرض عہدہ داروں میں کافی رد و بدل کیا گیا۔ اور کارگزار آدمی

اہم فرائض کی بجاآوری کے لیے مقرر کیے گئے، اس طرح ریاست کے نظامی جسم میں نئی روح دوڑ گئی اور عام طور پر یہ محسوس کیا جانے لگاکہ خیرپور کے حکمران کے روپ میں ریاست کو ایک قابل اعتبار رہنما مل گیا ہے۔ جو تعلیم جدید کی خوبیوں سے مالامال اور مشرقی تربیت کے اوصاف سے متصف ہے۔

میرعلی نواز کے عہد حکومت میں کافی اصلاحات عمل پذیر ہوئیں۔ ایک لاکھ کے صرفے سے ایک نہر نکالی گئی جس سے اور بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں نکلیں[1] جن کی مجموعی لمبائی ۲۵ میل تھی۔ مزید آٹھ ہزار ایکڑ زمین زیرِ کاشت لائی گئی۔ آپ سے پہلے سال بھر میں تین ماہ نہروں سے آبپاشی ہوا کرتی تھی مگر آپ نے کاشتکاروں کی اصلاح حال کے لیے پورے سال نہریں جاری رہنے کے انتظامات فرمائے۔ شہر میں پینے کے پانی کی قلت کے پیش نظر واٹر ورکس قائم ہوا اور نل لگائے گئے۔ بہت سے مدارس ریاست کے طول و عرض میں کھولے گئے۔ تعلقوں کے اسکول ہائی اسکول بنائے گئے۔ مقروض کاشتکاروں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے متعدد قانون وضع ہوئے۔

نظام حکومت

یوں تو میر علی نواز سے پہلے برطانوی قوانین کا ریاست میں نفاذ ہوچکا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ خیرپور کا عدلیہ میر علی نواز ہی کے عہد حکومت میں باضابطہ طور پر منظم ہوا۔ میر امام بخش کے عہد تک میر صاحبان ہائی کورٹ کے، اور وزیر

---

[1] بڑی نہر کے علاوہ چھوٹی نہروں کی لمبائی۔

ججوں کے، فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ مگر میر علی نواز نے اس طریقے کو جمہوریت کے خلاف سمجھا اور تخت حکومت پر متمکن ہوتے ہی جوڈیشل برانچ کے افتتاح کی جانب توجہ کی اور نظام حکومت میر اور وزیر کے بجائے ایک کونسل کے سپرد کر دیا۔ جس کے صدر خود ہز ہائینس تھے۔ اور آپ کے علاوہ تین ممبر اور تھے (۱) مسٹر ہیلی فاکس (۲) مسٹر قاضی امداد علی بیرسٹر (جو حیدر آباد سندھ میں سب ججی کے عہدے پر مامور رہ چکے تھے) اور (۳) مسٹر لوانی۔ ۱۹۲۷ء میں ہیلی فاکس چلے گئے اور ان کی جگہ مسٹر ٹانٹن کا تقرر عمل میں آیا۔ کونسل کا سلسلہ ۱۹۳۰ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد ایک وزیر اور دو ایڈوائزر مقرر کیے گئے۔

۱۹۲۷ء تک کونسل نے ہائی کورٹ کے فرائض انجام دیے۔ جب ۱۹۳۰ء میں مسٹر ٹانٹن آئے تو چیف جج کا کام ان کی طرف منتقل ہو گیا۔ ۱۹۳۲ء میں مسٹر سلیٹن وزارت کے عہدے پر مامور ہوئے تو انھوں نے چیف جج کے فرائض بھی انجام دیے۔ مسٹر سلیٹن نے اپنے آخری دور میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ جج کی عدالتیں قائم کیں اور ان دونوں عہدوں کے فرائض ایک ہی شخص کے سپرد کیے گئے، اسی وقت سشن جج کا عہدہ قائم ہوا اور کام کی قلت کے پیش نظر یہ دونوں عہدے بھی ایک ہی شخص کو تفویض کیے گئے۔ اسی زمانے میں گمبٹ اور میرواہ میں بھی ایک ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کا تقرر کیا گیا۔

---

۵ ریاست خیرپور کے دو تعلقوں (پرگنوں) کے نام۔

اخلاق و عادات

میر صاحب نہایت منکسر مزاج، سادہ طبیعت وجیہہ، وشکیل و مدبر و مفکر انسان تھے۔ عالی ہمتی، فیاضی اور اہل کمال کی قدردانی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اخلاق اتنا وسیع تھا کہ جو شخص ایک دفعہ مل لیتا تھا وہ ہمیشہ مداح رہتا تھا۔ شعر گوئی اور فقیرانہ طرز زندگی کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ میر صاحب کو بھی ان کی شاعرانہ فطرت نے فقیر منش بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ اختیارات حکومت اور اصناف نعمت میسر ہونے کے باوجود ان لوازم سے مبرا تھے۔ جو دنیا میں جہان بانی کا جزو لاینفک سمجھے جاتے ہیں۔ مہمان نوازی اور غربا پروری آپ کے خمیر میں شامل تھی۔ آپ کا دربار امتیازات شخصی سے پاک و صاف تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو باریابی کا موقع ملتا تھا۔ اور سب کے ساتھ آپ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ کسانوں اور مزدور پیشہ لوگوں کا دکھ درد سنتے تھے۔ اور ان کی امداد کرتے تھے۔ دنیا ان کی نگاہ میں ہیچ تھی۔ اس لیے باب سخاوت ضرورت مند رعایا کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ قانون کے خلاف کوئی حکم صادر نہیں فرماتے تھے۔

وفات

میر علی نواز نے ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔ کوٹ ڈی جی میں آپ کی لاش امانت کے طور پر رکھی گئی اور کچھ مدت کے بعد حسب وصیت کربلائے معلیٰ میں لے جا کر آپ کی میت کو دفن کر دیا گیا۔

کلامِ ناز
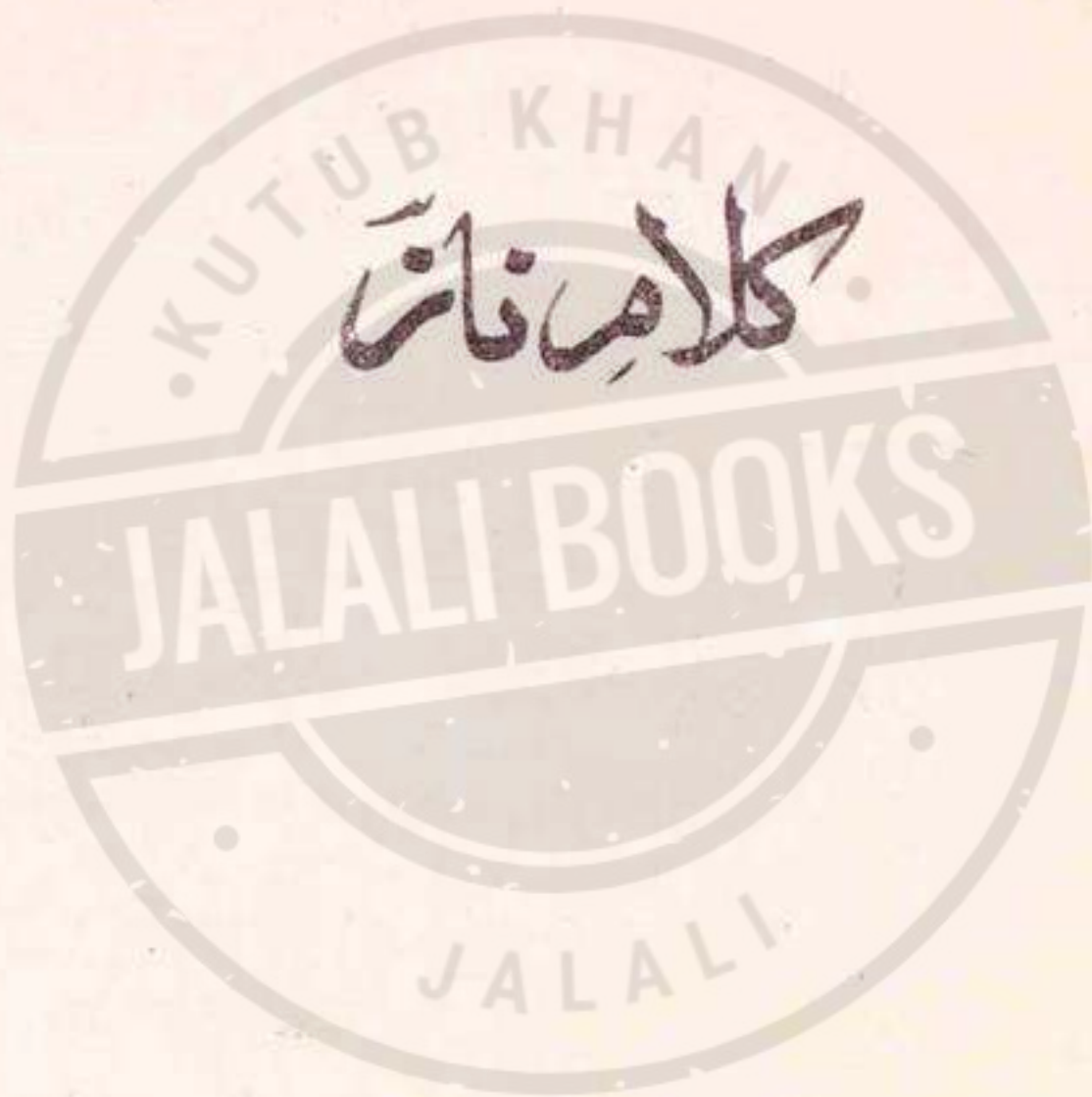
ردیف الف

ناقص سے کیا بیاں ہو یا رب کمال تیرا
خورشید و ماہ میں ہے جاہ و جلال تیرا

زنار و سُبحہ دونوں وابستہ ہمد گر ہیں
پھیلا ہوا ہے سارے عالم میں جال تیرا

تجھ کو ہی ڈھونڈتی تھیں یعقوب کی نگاہیں
یوسف میں جلوہ گر تھا نور جمال تیرا

قل قل نہیں یہ شیشہ کہتا ہے قُل ھُوَ اللہ
اس حال میں بھی ہم نے پایا ہے قال تیرا

چھٹتا نہ سنگ اسود قبضے سے ان بتوں کے
سایہ نہ ڈالتا گر کعبے پہ خال تیرا

تصویر تیری پائی آئینۂ نظر میں

فانوس دل میں دیکھا روشن خیال تیرا

رہتی ہے تازہ ہردم دل میں تری محبّت

آزاد ہر خزاں سے نکلا نہال تیرا

ہے مہر و قہر تیرا خلد و جحیم جیسے

اس میں جمال تیرا اس میں جلال تیرا

گیسو کی الجھنوں سے اس ناز کو نکالا

احسان مند یارب ہے بال بال تیرا

ہوا خورشید کا ہمسر ستارہ میری قسمت کا

تماشا دیکھتا ہوں یا الٰہی تیری قدرت کا

مجھے پابند کر انصاف کا احسان کی خو دے

کھلے یارب مرے ہاتھوں سے دروازہ عدالت کا

نہ کیوں ہو فرض مجھ پر ملک کی اپنے نگہبانی

جسے سب میر کہتے ہیں وہ راعی ہے رعیت کا

مری دریا دلی سے چشمہائے فیض جاری ہوں

غریبوں کی خبر گیری ثمر ہو میری دولت کا

خدا کے روبرو جھکتا رہے سر میرا سجدے میں

رہے دل میں مرے ہر دم تصور اس کی عظمت کا

عطا ہو مجھ کو ہمت خادم اسلام ہونے کی

بڑھے رتبہ مری کوشش سے قوم و دین و ملت کا

مری بیکس نوازی کا بجے ڈنکا زمانے میں

رہے سکہ مرے دینار و درہم پہ شرافت کا

کسی کا دل تو کیا ٹوٹے نہ مجھ سے مے کا شیشہ بھی

نہ پائے استقامت لڑکھڑائے میری نیت کا

غریبوں کی حمایت میں ملے وہ حیدری جذبہ

کہ دم میں سر کچل دوں اژدرِ کبر و رعونت کا

نہ ہو کیوں ناز مجھ کو اپنے لبّیک کی ترنگوں پر

پیے بیٹھا ہوں ساغر ساقیٔ کوثر کی الفت کا

چھین کر اک دل ہی کیا وہ دشمن جاں لے چلا

زندگی کی آرزو مرنے کا ارماں لے چلا

آنکھ کا ملنا قیامت تھا کہ بزم ناز میں

دل مرا تیر نگاہ مست جاناں لے چلا

مجھ کو مشتاق جفا پایا تو وہ خود کیا کھنچا

کھینچ کر پہلو سے ظالم اپنا پیکاں لے چلا

کام آئے گا شب تار لحد میں یہ چراغ
میں چھپا کر دل میں داغ سوز ہجراں لے چلا

ان سے جب پوچھا دم رخصت کہ کیا دل لے چلے
کس ڈھٹائی سے ستمگر نے کہا ہاں لے چلا

کیوں اشارے ہو رہے ہیں غیر و درباں کی طرف
لے چلا ہیں تیرے گھر سے آفت جاں لے چلا

فصل گل آتے ہی پھر اس زلف کا سودا ہوا
پھر جنوں زنداں کی جانب پا بجولاں لے چلا

کیا لیا ہاتھوں نے دامن سے الجھ کر اے جنوں
پاؤں سے چن چن کے میں خار بیاباں لے چلا

دل بھی ان بکھرے ہوئے بالوں کے پیچھے ہو لیا
سیر تو دیکھو پریشاں کو پریشاں لے چلا

کیوں خفا ہوتا ہے زاہد دیکھ لے دل صاف ہے
پی کے مسجد میں تری کیا تیرا ایماں لے چلا

شوق دیدار حسیناں دہر میں لایا مجھے
دہر سے میں شوق دیدار حسیناں لے چلا

کام آیا جذب دل اپنا یہ بعد مرگ بھی

کھینچ کر ان کو سوئے گورِ غریباں لے چلا

حشر میں جب نامۂ اعمال کی پرسش ہوئی

دیکھنا تم نازؔ کو تصویرِ جاناں لے چلا

سہل ہے ذرے کا خورشید درخشاں ہونا

آدمی کا مگر آساں نہیں انساں ہونا

بدمزہ ہو نہ کہیں خنجر قاتل کی زباں

دہن زخم کو لازم ہے نمکداں ہونا

لاش پروانے کی جلتی ہوئی دکھلا کے مجھے

تم نے بھی دیکھ لیا شمع کا گریاں ہونا

ہٹ گیا ابر نکل آیا مہ ہالہ نشیں

تم بھی بس آج تو پردے سے نمایاں ہونا

سخت جانی سے مری ہو گیا خنجر عاری

تھا دمِ ذبح بھی قاتل سے پشیماں ہونا

زلف بن جائے ذرا، رنگ حنا لے آئے

پھر کہیں وصل کے وعدے پہ پریشاں ہونا

دل مرا جب سے لیا آنکھ ملاتے ہی نہیں

ان سے سیکھے کوئی شرمندۂ احساں ہونا

کہہ اٹھے حسن صنم دیکھ کے اللہ اللہ

بت پرستوں کو مبارک ہو مسلماں ہونا

وہ تو سوتے ہیں مگر جاگ رہی ہے قسمت

ہو مبارک تمہیں ناز ان کا نگہباں ہونا

یقیں آتا نہیں گر آپ کو میرے پیمبر کا

لفافہ کھولیے پھر دیکھیے لکھا مقدر کا

مرے دل سے اڑائی ہے صفائی تیر گارض نے

لیا ہے مول زلفوں نے تری سودا مرے سر کا

وہ مجھ کو ذبح کرتا ہے تو بسم اللہ حاضر ہوں

ستون کافر سے کلمہ تو کبھی اللہ اکبر کا

سرور آنے لگا دل کو تصور میں جو تم آئے

تمہاری آنکھ یاد آئی خیال آتے ہی ساغر کا

چڑھا آتا ہے جوبن آپ کا میرے دبانے کو

سہوں کیونکر الٰہی بار اس چھاتی کے پتھر کا

قیامت آئے تو شاید ترا قد ناپنے آئے

نہیں ہے ورنہ فتنوں میں کوئی تیرے برابر کا

تمہارے عکس کو اچھی طرح ہم سمجھے بیٹھے ہیں

ہمیں معلوم ہے سب حال آئینے کے اندر کا

نظر پہ چڑھ گے دل میں عاشقوں کے یہ اترتے ہیں

بتوں کو مل گیا ہے راستہ اللہ کے گھر کا

لب فریاد کیا کھولوں کہیں چوری نہ کھل جائے

چرا یا ہے مرے زخموں نے پانی تیرے خنجر کا

پیے جاتا ہوں ساغر بعد ساغر ناز بے کھٹکے

تصوّر جب سے نشے میں بندھا ہے میرِ کوثر کا

جب زبانوں پہ تم سے تو آیا — خاک پھر لطف گفتگو آیا

نام ڈوبے نہ آشنائی کا — آب شمشیر تا گلو آیا

روبرو آگئی وہ مست نظر — جب مرے سامنے سبو آیا

شوق دیدار نے کیا اندھا — کون یہ میرے روبرو آیا

داغ دل دے رہے ہیں بوئے وفا — رنگ پر نخل آرزو آیا

پاک نیت رہیں مے کدے والے — جو یہاں آیا باوضو آیا

جز فریب نظر دھرا کیا تھا — کون موسیٰ کے روبرو آیا

مار کھانے کا دل نے کام کیا — اُس کی زلف سیہ کو چھو آیا

طے ہوئی منزل وفا آخر — کوئے قاتل سے سرخرو آیا

کیوں نہ قاصد کے پاؤں پوجوں تانہ
کر کے اس بت کی جستجو آیا

حسن پردے سے نکل کر وقف نظارہ ہوا
قید کیا ٹوٹی مزاج عشق آوارہ ہوا

ہو گیا اندھیر یہ کہنا کہ دل چوٹی میں ہے
مفت تہمت بندھ گئی پشتی کا پشتارہ ہوا

لے کے قول بندگی آزاد کر بیجے مجھے
جاننا جھوٹی قسم کا میری کفارہ ہوا

شکل دیکھی تھی ذرا دل کی تسلی کے لیے
سرخ ہو کر آپ کا چہرہ تو انگارا ہوا

آستینوں میں کبھی چھپتا ہے دامن میں کبھی
طفل اشک آنکھوں سے باہر آ کے آوارہ ہوا

بادیہ گردی سے جھنڈے چڑھ گیا میرا جنوں
آبلہ پاؤں میں جو ابھرا وہ نقارہ ہوا

رقص بسمل سے تری چوٹی تک افشاں ہو گئی
خون ناحق میرا یہ اچھلا کہ فوارہ ہوا

روز باتوں میں جھلاتا ہے مجھے وہ طفل خو

واہ کیا میرے لیے تیار گہوارہ ہوا

فاتحہ سارے حسینوں نے پڑھی دل کی بہم

صورتیں دس بیس مل کر ختم سیپارہ ہوا

بھیجتا ہوں سجدۂ اخلاص روز و شب نجف

جب سے شوق آستاں اے نازؔ ہرکارہ ہوا

وصل کی لذت نے یہ کیا کر دیا
آپ نے بوسہ بھی شرما کر دیا

کس مزے کی تھی لب شیریں کی یاد
موت کی تلخی کو میٹھا کر دیا

دیکھنا حسن و محبت کا مذاق
مجھ کو مجنوں اس کو لیلا کر دیا

بوسہ انگشت حنائی کا مجھے
تم نے برسوں خون رلوا کر دیا

پنجۂ وحشت نے دامن پھاڑ کر
جامۂ ہستی کو اوچھا کر دیا

عرض مطلب کا مرے اس نے جواب
کان میں چپکے سے پاس آ کر دیا

کتنا منہ پھٹ ہے دہان زخم بھی
خنجر قاتل کو رسوا کر دیا

دل اڑا کے لے گیا دزد حنا
چور کو تم نے اُچکا کر دیا

منہ لگا کر غیر نے رخسار کو
شربت دیدار جھوٹا کر دیا

بڑھ گئی صحن چمن کی آبرو
قطرۂ شبنم کو دریا کر دیا

نازؔ بھی ہے لا ابالی کس قدر

اپنے دل کو خوان یغما کر دیا

ہمارے پینے کا آج انتظام کر لینا
ملا کے توبہ کے ٹکڑوں کو جام کر لینا

شبِ وصال میں دن سے یہ کام کر لینا
بلا کے غیروں کو میرا بھی نام کر لینا

فضول جان کے دل کو نہ پھینکنا میرے
اگر پسند نہ آئے تو دام کر لینا

خیال رکھنا بتوں کا سفر میں کعبے کے
ملیں جو راہ میں جھک کر سلام کر لینا

چھپا کے زلفوں میں منہ میرے گھر چلے آؤ
تمہیں تو صبح کا آنا ہے شام کر لینا

کبوتر آیا ہے لے کر کسی کا نامہ شوق
دکھا کے دانہ گرفتار دام کر لینا

نہ چھوڑے گا کبھی لوہے کی جھنتوں پہ مرا
ہٹا کے ہاتھ کلائی کو تھام کر لینا

میں کیا سناؤں تمہیں وصل و ہجر کا جھگڑا
تم آج آ کے یہ قصہ تمام کر لینا

ہمارے نالوں کا آج اور کچھ ارادہ ہے
بتائے دیتا ہوں کچھ روک تھام کر لینا

جناب شیخ کی دعوت ہے میکدے میں آج
مغاں سے کہہ دے کوئی اہتمام کر لینا

چراغ گھی کے رقیبوں سے خوب جلوانا
ہماری قبر پہ تم دھوم دھام کر لینا

خدا کے سامنے بھی میری خاک اڑانا تم
چلو تو حشر میں رسوائے عام کر لینا

خدا کی بندگی اے ناز کیا کرو گے تم
نہ آیا تم کو بتوں کا بھی رام کر لینا

تماشائی ہوں اک مدت سے میں بزمِ حسیناں کا
مرا دیکھا ہوا ہے پتہ پتہ اس گلستاں کا
ٹھکانا کیا رہا اے ناز مجھ سیدھے مسلماں کا

اڑا کر لے گیا ترچھی نظر سے دل کوئی بانکا
بھری محفل میں آ کر تم کبھی نچلے نہیں بیٹھے
اِسے تاکا اُسے تاکا اِدھر جھانکا اُدھر جھانکا

بہار آئی کہ تیرے وحشیوں میں عید آئی ہے
گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک داماں کا

پلاتے ہو شراب وصل کس کو چاندنی میں تم
چھلکتا دیکھتا ہوں روز ساغر ماہ تاباں کا

پری بن کر اڑے گا جو نشانہ تم لگا دو گے
لگا ہے پر تمہارے تیر میں مرغ سلیماں کا

اٹھائے ہیں جو تم نے فاتحہ کو ہاتھ مردوں پر
تمہیں منظور ہوگا لوٹنا شہر خموشاں کا

نہ دیکھی عمر بھر اے موت کوئی لطف کی صحبت
ہماری زندگی قسمت تھا اک خواب پریشاں کا

جسے چاہیں یہ حوریں دیں جسے چاہیں یہ خشیں
ملا ہے شیخ کو شاید کہ ٹھیکا باغ رضواں کا

عروس مرگ کا جوڑا جب آیا ہے سفید آیا
خدا معلوم کیسا رنگ ہے خون شہیداں کا

تمہارا عارض روشن کبھی جھلکا جو زلفوں میں

یقیں آیا ہمیں تورات میں ہے ذکر قرآں کا

یہاں دنیا میں جینے کو وہاں عقبیٰ میں بخشش کو

مجھے اے ناز کافی ہے وسیلہ شاہ مرداں کا

ہم نے آج اک حسیں کو دیکھ لیا ۔۔۔ شانِ حسن آفریں کو دیکھ لیا

آپ پردے میں چھپ گئے شاید ۔۔۔ ماہ ہالہ نشیں کو دیکھ لیا

ہے فلک پہ دماغ آنکھوں کا ۔۔۔ تم سے زہرہ جبیں کو دیکھ لیا

بے نقط خوب سن چکا قاصد ۔۔۔ اس مرے نکتہ چیں کو دیکھ لیا

موت کی ایک یہ بھی صورت ہے ۔۔۔ ہم نے تیری نہیں کو دیکھ لیا

دامن زہد میں لگا دی آگ ۔۔۔ بادہ آتشیں کو دیکھ لیا

دل میں چھریاں اتر گئیں جب سے ۔۔۔ ان کی چین جبیں کو دیکھ لیا

میرے اشکوں سے تر ہوئی تو نہیں ۔۔۔ آپ نے آستیں کو دیکھ لیا

لے گیا دل کو چھین کر اے ناز

ہم نے اس نازنیں کو دیکھ لیا

سر مرا ٹھکرا چکے اب دل بھی ٹھکرائیں گے کیا

چھوڑ کر میرے مقدر کو نہ پچھتائیں گے کیا

پاسباں نا اہل دشمن گھات میں تو بدزباں

ہم تری محفل میں آئیں تو مگر آئیں گے کیا

بیٹھ کر مجلس میں اپنی شیخ غصہ پیجیے

مے کدے میں آ کے حضرت گالیاں کھائیں گے کیا

وصل کا وعدہ بھی ہو گا دوپہر ڈھلنے تو دو

شام کی یہ راگنی ہے صبح کو گائیں گے کیا

دل کی چنگاری تھی اک پہلو میں وہ کجلا گئی

خاک کو میری کرید یں شوق سے پائیں گے کیا

کوئی کاندھا تک نہیں دیتا ہماری نعش کو

ہم خدا کے گھر بھی اپنے پاؤں سے جائیں گے کیا

کیوں جگر تھامے ہوئے بیٹھے ہیں سارے اہل بزم

حضرت ناز آج کچھ ارشاد فرمائیں گے کیا

ستم ہے اس دل کی دوستی میں طرح طرح کا عذاب دیکھا

جسے ہم اپنا سمجھ رہے تھے اسی کو خانہ خراب دیکھا

ابھی وہ فتنے اٹھا رہے تھے ابھی قیامت اٹھا رہے ہیں

وہ ان کے بچپن کا تھا زمانہ یہ رنگ جوش شباب دیکھا

نظر جو بحر فنا میں ہم نے کچھ اپنی ہستی پہ کی تو آخر

قیام موجوں کی طرح پایا ثبات مثل حباب دیکھا

تصورِ چشمِ مستِ ساقی گیا نہ دل سے کبھی نکل کر
خدا کے گھر میں نظر سے اپنی ہمیشہ دورِ شراب دیکھا

تمھارے گیسو جواب گیسو تمھارے ابرو جواب ابرو
مگر ادا لاجواب دیکھی کبھی نہ اس کا جواب دیکھا

نہ کوئی تجھ سا ستم کا عادی نہ کوئی مجھ سا جفا کا خوگر
نہ میں نے تیرا جواب پایا نہ تو نے میرا جواب دیکھا

ہماری ضد پر ہماری ضد پہ گئے تم آخر رقیب کے گھر
اسی میں ہم نے عذاب دیکھا اسی میں تم نے ثواب دیکھا

برا ہو اس سوزشِ درونِ دل کا کہ کر دیا خاک گھر کا گھر
نظر جو پہلو پہ اپنے ڈالی تو دل کو مثلِ کباب دیکھا

جدائی میں بدنصیب ایسا مرے سوا اور کون ہوگا
نہ وصل جس کو ہوا میسر نہ عیش کا جس نے خواب دیکھا

وہ اور وصلِ رقیب توبہ نہ رکھو الزام نازاں پر
وہاں کسے باریاب دیکھا وہاں کسے کامیاب دیکھا

بن کے سودائی تلاشِ یار میں کیوں دل گیا
کھو گیا آخر رہِ الفت میں خود یہ مل گیا

بے دلی قربان تیرے شغل اچھا مل گیا

جان کو بیٹھا ہوا رو تا ہوں جب سے دل گیا

نشۂ الفت جھلکتا ہے کسی کی آنکھ میں

پھر ہمارے زخم کا انگور شاید جھل گیا

میرا دست شوق کوتہ ہو تو یہ قسمت مری

پانوں پھیلانے کا تم کو تو ٹھکانا مل گیا

ناقۂ لیلیٰ کے پیچھے قیس کا لاشہ بھی ہے

ایک وہ محمل گیا تھا ایک یہ محمل گیا

دشمنی اٹھتے ہی تلخیٔ محبت آ گئی

غیر کے جاتے ہی لطف صحبت محفل گیا

پیتے ہی جام شہادت جان سی آ جائے گی

آب خنجر حلق سے اترا کہ درد دل گیا

بیکسی نے کھو دیا آخر وقار زندگی

آ گئی مرگ بہانہ ساز جب قاتل گیا

کس قدر بختہ ہے دخت رز کی حرمت کا خیال

مے کدے کا بچہ بچہ محتسب پہ پل گیا

اب بھلا میں کیا بتاؤں کیا ملا مجھ کو جواب

بن کے اک بوسے کا ان کے پاس جب سائل گیا

کچھ خبر ہے ناز تم کو کاروانِ عمر کی
آنکھ اٹھا کر تو ذرا دیکھو کئی منزل گیا

کھو گئے جب ترا مکاں دیکھا
مٹ گئے جب ترا نشاں دیکھا

جلوۂ یارِ دلستاں دیکھا
منہ سے کہیے کلیم ہاں دیکھا

اپنا شکوہ سمجھ کے وہ بگڑے
ہم نے جب سوئے آسماں دیکھا

شیخ سر پھوڑتا ہے کعبے میں
کیا ترا سنگِ آستاں دیکھا

دیر میں کعبے میں کلیسا میں
تجھ کو پایا وہیں جہاں دیکھا

آ گئی موت ان کے جاتے ہی
یہ تماشا بھی ناگہاں دیکھا

بات کیا ہے جو قیس مرتا ہے
تو نے لیلیٰ کو سارباں دیکھا

آخر اقرارِ وصل لے ہی لیا
دے ہی دی آپ نے زباں دیکھا

ان کی مٹھی میں جان ہے میری
دل کسی نے مرا کہاں دیکھا

جب سے ڈالی بہارِ گل پہ نظر
پھر نہ بلبل نے آشیاں دیکھا

درِ حیدر پہ ناز کیا پہنچے
جیتے جی روضۂ جناں دیکھا

کہیں حجاب اس ابرو کا ہاتھ آ نہ سکا
جہاں میں دوسرا کعبہ کوئی بنا نہ سکا

شبِ وصال وہ کیسا تھا نیند کا عالم

تمھاری آنکھ کا جادو تمھیں جگا نہ سکا

کیا ہر ایک کو اس دل نے عمر بھر بے چین
جہاں میں زیست کے کوئی مزے اٹھا نہ سکا

ان ابروؤں کی زیارت کسے نصیب ہوئی
سوا مرے کوئی طوفِ حرم کو جا نہ سکا

ملی بشر کے سرھانے اجل بھی پیری میں
سحر کا خواب تھا جھوٹا کوئی بتا نہ سکا

کہاں سے مل گیا بسمل کو دشت میں آرام
کچھ ایسا سویا کہ اس کو کوئی جگا نہ سکا

اٹھا سکے گا بھلا وہ ہماری نعش کو کیا
جو آپ اپنی نزاکت کا بوجھ اٹھا نہ سکا

لڑا ہے نالۂ عاشق سے کس قدر وہ بت
گدا بھی اس کی گلی میں صدا لگا نہ سکا

کچھ ایسی عشق نے صورت بگاڑ دی اسکی
کوئی حسین مرے دل کو دل بتا نہ سکا

سوائے سجدہ گہ خاک کربلائے ناز
سرِ نیاز کو ہیرے کوئی جھکا نہ سکا

خیالِ وصل ہی کیا شکوۂ جدائی کیا

جفا پسند جو ہو اس کی آشنائی کیا
کوئی حرم میں بھی جا کر نہ دے دہائی کیا

بتوں کی سارے زمانے میں ہے خدائی کیا
یہی تھی شرطِ وفا آ کے پوچھنے بھی نہیں

تمھیں کہو مری بگڑی ہوئی بنائی کیا
نثار ان کے لڑکپن یہ جانتے ہی نہیں

کہ روٹھنا کسے کہتے ہیں بے وفائی کیا
کہاں یہ چشم کہاں اشکِ ہجر کا طوفاں

اس ایک قطرے میں دریا کی ہے سمائی کیا
رہا جو خون بدن میں تو سوزِ غم کیسا

رگی جو حلق پہ شمشیر تو صفائی کیا
فلک کے پار ہو نالہ کہ عرش تک جائے

نہ پہنچا کان تک ان کے تو پھر رسائی کیا
خزاں میں کھول رہا ہے قفس کی کیا کھڑکی

بہار قید میں گزری تو اب رہائی کیا
لحد میں چین سے پھیلائے پاؤں سوتے تھے

قیامت آ کے شہید دل پہ یہ چھائی کیا

ذرا سی چکھنے میں اے شیخ کیا بگڑتا ہے

مزا تو دیکھیے ایسی بھی پارسائی کیا

نصیریوں کے خدا کا نجف مقام ہے ناز

یہاں تو فرض ہے سجدہ بھی جبہہ سائی کیا

شام غم اتنی بلائیں آئیں لشکر ہو گیا

جان کیا نکلے گی اب شبخون کا ڈر ہو گیا

سخت جاں صحبت سے تیری اے ستمگر ہو گیا

بت پرستی کرتے کرتے میں بھی پتھر ہو گیا

تو نے واعظ میرے ساقی کی کرامت دیکھ لی

دل مرا توبہ سے ٹوٹا بھی تو ساغر ہو گیا

اب تصور سے نکل کر تم کہاں جانے لگے

تم پہ آنکھیں لگ گئیں پہرا مقرر ہو گیا

پاؤں ٹوٹے بھی اگر وحشت سے سر پھرنے لگا

گردش پا بھی مری قسمت کا چکر ہو گیا

دل میں وہ موئے مژہ کھٹکا کس کس شان سے

خار سے سوزن بنا سوزن سے نشتر ہو گیا

جو ادائیں دل میں کھٹکیں تیر و نشتر بن گئیں

جان جس ابرو پہ کی قربان خنجر ہو گیا

قطرہ ہائے ابر نیساں پر نہیں کچھ منحصر

آبرو جس اشک کو دی ہم نے گوہر ہو گیا

بے خودی نے کر دیا جذبات دل سے بے نیاز

اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہو گیا

خون ناحق سے بچائے رکھنا دامن اپنا ناز

پھر قیامت تک نہ چھوٹے گا اگر سر ہو گیا

واعظ کو امتیاز نہیں خوب و زشت کا

اک سبز باغ یاد ہے خالی بہشت کا

موقوف ہے خوشی پہ تمھاری وصال و ہجر

تم کو ہے اختیار مری سرنوشت کا

دیکھو جسے وہ پھوڑ رہا ہے بتوں سے سر

دیکھا ہے ہم نے خوب تماشا کنشت کا

قسمت میں میری داغ محبّت تھا مل گیا

نکتہ یہ رہ گیا تھا خط سرنوشت کا

بولی اجل جو گور میں لٹکائے میں نے پاؤں

خانہ بدوش دیکھ یہی گھر ہے کشت کا

پتھر کے ہیں بنے ہوئے ظالم یہ سنگدل

ظاہر ہے مجھ پہ حال بتوں کی سرشت کا

پہلو میں ناز یہ دل پر آرزو نہیں

دفتر بغل میں ہے مرے اعمال زشت کا

ستم فلک کے جفا تیری غم زمانے کا

یہی مآل ہے کیا تجھ سے دل لگانے کا

نظر اٹھانے کی جلاد نے نہ فرصت دی

نہ دیکھا میں نے تماشا قضا کے آنے کا

عدو کی باتوں پہ چلنے لگے ہیں اب تو آپ

نکالا راستہ یہ خوب آنے جانے کا

سوال بوسہ پہ دشنام واہ کیا کہنا

تمہیں تو شوق ہے خود بات کے بڑھانے کا

کہیں نہ پیچ میں زلفوں کے ڈال دے تقدیر

گماں مرے دل صدچاک پہ ہے شانے کا

لچک دکھاؤ کمر کی بڑھا کے چوٹی کو

سمند ناز ہے محتاج تازیانے کا

تمھارے دست حنائی نے کیا بہایا خون

کہ رنگ اور ہی کچھ ہو گیا زمانے کا

جناب شیخ کا ہے حسن ظن فقط ورنہ

کہاں میں اور کہاں در شراب خانے کا

کھلائے گل نہ کوئی ان کی خامشی اے نازؔ

کوئی سبب تو ہے غنچے کے مسکرانے کا

تیغ ادا نہ تیر نظر کا قصور تھا

مرنے کو اپنے کوئی بہانہ ضرور تھا

ساقی نے چشم مست دکھا کر غضب کیا

اب ہے وہی خمار جو پہلے سرور تھا

ٹھوکر لگی جو عشق میں چودہ طبق کھلے

شاید ہمارے راستے میں کوہ طور تھا

دریا میں خود ہوا نے سزا دی حباب کو

توڑا غرور ہی نے جو سر پہ غرور تھا

بھٹی سے اٹھ کے اور کہاں جاتے شیخ ہم

مسجد تمھاری پاس تھی بت خانہ دور تھا

الٹی تھی میرے شیشہ دل کی نہی ناز کی

پھرتے ہی ان کی آنکھ کے یہ چور چور تھا

اللہ رے حسن یار کی نیرنگ سازیاں
تھا رنگ بو کبھی تو کبھی نار و نور تھا

پابند حکم حسن و محبت تھے دونوں ناز
آنکھوں کی کچھ خطا تھی نہ دل کا قصور تھا

دل جلایا تو فروغ رخ زیبا دیکھا
یہ ہوا کرتا ہے گھر پھونک تماشا دیکھا

ہیں کبھی جام بنا دانہ تسبیح کبھی
کھائے ہیں خاک نے چکر مری کیا کیا دیکھا

مدعا یہ ہے کہ مر جاؤں خوشی کے مارے
پوچھتے ہیں وہ مرے دل کی تمنا دیکھا

بات اب کون سی باقی ہے تمہیں خود کہہ دو
ہم نے کرتے ہوئے دشمن کو تقاضا دیکھا

پتلیوں ہی کی سیاہی سے ہیں آنکھیں روشن
کیا تماشا ہے اندھیرے میں اجالا دیکھا

گال پہ گال وہ رکھ کر مرے فرماتے ہیں
یوں اترتا ہے صحیفے پہ صحیفہ دیکھا

سامنے آئے تھے وہ لاکھوں دعائیں لے کر
اور ہم خوش ہیں کہ ہم نے انھیں تنہا دیکھا

خلوت غیر کی روداد سنائے کیا نازؔ
یونہی رہنے دو بس اب خیر، جو دیکھا۔ دیکھا

نہ پھول فصل بہار پر تو قریب ہنگامہ ہے خزاں کا
کہاں کے نقش و نگار گلشن یہ اک شگوفہ ہے باغباں کا

جہاں نہ دیکھیں کسی صنم کو وہاں بلاتا ہے شیخ ہم کو
سلام ہے دور سے حرم کو کہ قصد ہے کوئے بتاں کا

ہے سر میں سودائے حال وحشت تو دل ہے نقش خیال وحشت
جنون فطرت میں ہے کچھ ایسا نہیں زمیں کا نہیں زماں کا

نہ پوچھ غافل وقار انجم تجلی زر نگار انجم
ہے رات بھر یہ بہار انجم فریب کھانا نہ آسماں کا

نہ پوچھ ناصح مری حقیقت ملی ہے جو عشق میں فضیلت
قتیل ہوں چشم مہرباں کا شہید ہوں لطف ہم زباں کا

لگا کے سرمہ بنا کے گیسو بدل کے کپڑے جو گھر سے نکلے
لگی جو دل میں ہوا یہ ہستی کسی کو تاکا کسی کو جھانکا

دوا سے بیمار غم کو مطلب مگر مسیحا نہ خاک سمجھے

ہوا نہ چارہ گر دوں سے اب تک علاج میری تپ نہاں کا

بتوں نے گر اس کو کچھ نہ جانا ہے اس میں نیرنگی زمانہ

ہم اپنے داغ جگر سے خوش ہیں کہ پھول ہے گلشن جہاں کا

جناب اجب مے کدے میں آئے تو رنگ کچھ اور کہہ رہا تھا

الٹ کے ساغر کو ناز نے خوب شیخ صاحب کا عیب ڈھانکا

حجاب آیا ہے قاتل کو خجل ہیں نیم جاں کیا کیا

نزاکت نے کیے ہیں وار وقت امتحاں کیا کیا

نہ چھوٹی کشمکش سے جان آخر بعد مردن بھی

سگ جاناں سے کھینچی ہیں ہمارے ہڈیاں کیا کیا

قیامت تک نہ ہو گا غم کا قصہ مختصر ہو گا

کہے جائیں گے آخر آپ کب تک مہرباں کیا کیا

ملاؤ آنکھ تم ہم سے تو کچھ کہہ دیں سر محفل

زبان غیر سے ہم نے سنی ہے داستاں کیا کیا

تکلف برطرف تم اور شمع محفل دشمن

شکایت بر محل کہنے کو ہے میری زباں کیا کیا

ہوائے لیلی محمل نشیں میں قیس برسوں تک

اڑا ہے ضعف سے بن بن کے گرد کارواں کیا کیا

ستم گاروں میں شاید میرے چرچے ہو رہے ہوں گے
دم مردن مجھے آتی رہی ہیں ہچکیاں کیا کیا

لگائی آگ کیا کچھ سوزشِ آہِ عنادل نے
چمن میں اٹھ رہا ہے آتشِ گل سے دھواں کیا کیا

طبیعت ناز کیا اکتائے میری طوفِ کعبہ سے
مجھے چکرا چکی ہے گردشِ چشمِ بتاں کیا کیا

کہتے ہیں خلد میں وحشت کا اثر جائے گا
دل وہاں بھی جو نہ بہلا تو کدھر جائے گا

اب سوادِ شبِ غم کا بھی اثر جائے گا
شمع بھی ختم ہے بیمار بھی مر جائے گا

ہے وہ نازاں جو کرے حسن دو روزہ پہ نظر در
آج دریا یہ چڑھا ہے کل اتر جائے گا

اس کی قسمت میں بھی اک دن ہے پریشاں ہونا
میرا مرنا بھی تری زلف کے سر جائے گا

شکل ہستی میں بدل جاتی ہے کل اشیا کی
ہو کے ناسور مرا داغ جگر جائے گا

دل نہ بچے گا نہ ترے تیر نظر سے کوئی

یہ جدھر جائے گا تا حدِّ نظر جائے گا

کسی عنوان پہ موقوف ہے انساں کی نمود

نام کچھ چاکِ گریباں مرا کر جائے گا

مہرباں مجھ سا زمانے میں کہاں ہے اے نازؔ

چھوڑ کر مجھ کو غمِ عشق کدھر جائے گا

ردیف (ب)

آئنہ دے گا کہاں سے بندہ پرور کا جواب

یہ مرا دل ہے کہ دیتا ہے برابر کا جواب

کعبۂ دل سے یہ بت خارج بھی ہیں داخل بھی ہیں

میرے پہلو میں ہے یہ اللہ کے گھر کا جواب

وصل کی شب اے موذن پھیر دوں تجھ پہ چھری

آج میں بھی دوں تری اللہ اکبر کا جواب

تھا سوال مدعا تسکینِ خاطر کے لیے

دل ہوا بے چین سن کر اس ستم گر کا جواب

حشر میں ہونے نو دو مشرب کی میرے بازپرس

دیدۂ تر ہے مرے اس دامنِ تر کا جواب

میری قسمت میں نہیں صورت کسی کی دیکھنا
ہو گیا ہے آئنہ سدِّ سکندر کا جواب

گالیاں دے دے کے پوچھا مجھ سے دشمن کا مزاج
میں دعا دوں یا سوال بندہ پرور کا جواب

آپ رونے کی اجازت دیکے مجھ کو دیکھ لیں
تو سہی ایک ایک آنسو ہو سمندر کا جواب

لکھ دیا ہم نے انھیں اپنی پریشانی کا حال
واہ کیا سمجھا ہے ان کی زلف ابتر کا جواب

رات بھر قصہ رہا اب صبح کو کہتے ہو کیوں
کیا یہ لفظ مختصر ہے سارے دفتر کا جواب

دل بھر آتا ہے دیکھی ہے جو تیری چشم تر
اس صراحی سے دیا ہے ہم نے ساغر کا جواب

سخت باتوں پر عدو کی ناز دل بوجھل نہ کر
سیکھ نخل بار در سے جا کے پتھر کا جواب

ان بتوں کو کر لیا یارام یا پھوٹا نصیب
اب تو مے خانے کی دھن ہے یا مقدر یا نصیب

کیا برائی آپ کی میرا مقدر ہے برا

آپ اچھے تھے اگر ہوتا مرا اچھا نصیب

عاشقوں میں تیرے رفتہ رفتہ پڑ جائے گی پھوٹ

لڑ رہا ہے غیر کی تقدیر سے میرا نصیب

آپ کی ٹھوکر ہی اب اس کو اٹھائے تو اٹھے

سو گیا ہے تیغ کے سائے میں بسمل کا نصیب

ہو گیا اک ترک کی ترچھی نگاہوں کا شکار

میں خدا کے گھر سے لایا ہوں عجب بانکا نصیب

ساغر مے دے کے میرے دست رعشہ دار میں

ہٹ گیا کہہ کر یہ ساقی آگے اب تیرا نصیب

عشق کے بازار میں کوئی لٹ کوئی بنا

تم کو گاہک مل گئے مجھ کو ہوا سودا نصیب

سایۂ طوبیٰ کی زاہد کو مبارک آرزو

وصل ہو یارب ہمیں اس سرو رعنا کا نصیب

مٹ گیا ہر نقش دود نالۂ دل کے نثار

آئینے میں بھی اگر دیکھا کبھی اپنا نصیب

نازؔ کو گرمی محشر سے بچانے کے لیے

یاالٰہی ہو لوائے حمد کا سایا نصیب

ردیف (پ)

خواب میں آنے کی میرے نہ قسم کھائیے آپ
نیند آئے گی تو سو جاؤں گا میں جائیے آپ

نغمۂ عیش میں آجائے مزا جینے جی
ساز کی طرح گھڑی بھر کو جو مل جائیے آپ

فائدہ کیا جو یونہی گر گئے مٹی میں کوئی
محو رفتار کو کچھ دیر تو تڑپائیے آپ

عشق کی شکل نہ دکھلاؤں تو جھوٹا کہنا
آئینہ بن کے کسی روز چلے آئیے آپ

میں نے گیسو جو بنانے کو کہا۔ فرمایا
جعلسازوں میں مجھے مفت نہ پھنسوائیے آپ

اک نظر دیکھ لے عاشق بھی جوانی کی بہار
ابھی آنچل کو تو سینے پہ نہ دوہرائیے آپ

جینا مشکل ہے یہ کہیے تو بجا اور درست
مرنا آسان نہیں یہ تو نہ فرمائیے آپ

جھینپے جاتے ہیں چھپے جاتے ہیں کیوں صبح وصال

قول دینا ہے مجھے ہاتھ ذرا لائیے آپ

خلوت ناز ہے کچھ ڈر نہیں کھل جانے کا

ہاتھ محرم پہ جو پڑ جائے نہ شرمائیے آپ

ردیف (ت)

دن نکل آیا ہوئی طے نہ ملاقات کی بات

رات کی رات گئی مفت میں اور بات کی بات

دیر سے آئی کلیسا تو کلیسا سے حرم

بڑھ کے پہنچی ہے کہاں قبلۂ حاجات کی بات

چاندنی چھپ گئی اب وصل کا قصہ ہو شروع

لو ادھر آؤ اندھیرے میں سنو رات کی بات

بھیس میں سائے کے، ہمراہ رہا کرتا ہوں

بدگمانی نے سکھائی ہے مجھے گھات کی بات

نشۂ بادۂ کوثر سے بہک جائے گا شیخ

دور تک جانے لگی بزم خرابات کی بات

کعبے والوں سے بڑھا رکھا ہے قصہ بیکار

کس قدر اوچھی ہے میرے بت بدذات کی بات

اہل بت خانہ کو ٹھکرائے چلے جاتے ہو
ہو نہ جائے کہیں اس طرح سبک لات کی بات

تم نے سلجھے نہ کبھی زلف کے الجھے ہوئے بال
عمر بھر آئی سلجھنے پہ نہ سوغات کی بات

بوسہ کیسا کہ ہے دشنام کی بھی خست نازؔ
ذکر صدقے کا سنا ان سے نہ خیرات کی بات

تڑپا ہے کیسا کیسا دل بیقرار رات — گزرے کسی پہ ایسی نہ یہ دردگار رات
اندھیر ہو گیا کہ کھلا ضبط کا بھرم — آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار رات
شوخی سے وصل میں بھی وہ پہلو بچا گئے — سوئے ہیں میرے پاس مگر ہوشیار رات
دن بھر پلا پلا کے انھیں لائے راہ پر — اترا شراب حسن کا آخر خمار رات
اس شمع رو کو دیکھ کے بزم رقیب میں — جلتا رہا میں رشک سے پروانہ وار رات
بھاری ہوئی ہے کس لیے بیمار ہجر پر — کس دن کا یہ نکال رہی ہے بخار رات
پروانہ جل بجھا جو تری تاب حسن سے — روتی ہے شمع میرے لیے زار زار رات
شاید ہمارے وصل کے دن کا ہوا ہے خون — ماتم میں ورنہ کس کے ہوئی سوگوار رات
کیا پوچھتے ہو ہجر کے دن کس طرح کٹے — موت آ گئی تھی بن کے مری غمگسار رات

ارماں ہے نکالے ٹلے گا نہ آج نازؔ
آتی ہے ہاتھ ایسی کہیں بار بار رات

دل جب سے بن گیا ہے مے خانۂ محبت / آنکھوں سے پی رہا ہوں پیمانۂ محبت

اک دن پلا کے دیکھے میرا بھی ظرف ساقی / رکھے گا بند کب تک مے خانۂ محبت

الجھن بھی کی تو پیدا تار نفس سے اپنے / فرزانۂ وفا ہے دیوانۂ محبت

دلسوز جس قدر تھے محفل میں جل بجھے سب / اک شمع رہ گئی ہے بیگانۂ محبت

پیتے رہے ہمیشہ ہم شکوہ ہائے دشمن / ٹوٹا نہ ایک دن بھی پیمانۂ محبت

کر تو چلی ہیں دل میں گھر شوخیاں کسی کی / آباد ہو چلا ہے ویرانۂ محبت

بوئے وفا سے بلبل مدہوش ہو رہا ہے / نرگس بھی باغ میں ہے مستانۂ محبت

بازار مصر میں گر تیری جھلک بھی پہنچے / ہو جائے حسن یوسف بیعانۂ محبت

کچھ سوچ کر نکالو اے نازؔ دل سے ارماں

ویران ہو نہ جائے کاشانۂ محبت

ردیف (ث)

کیوں خفا ہیں حضور کیا باعث / کچھ خطا کچھ قصور کیا باعث

دل تو کیا آنکھ بھی نہیں ملتی / مجھ سے رہتے ہو دور کیا باعث

برق و موسیٰ ہیں گر نہ تھی کچھ لاگ / جل گیا کوہ طور کیا باعث

لوٹ لی کس نے حسن کی دولت / نہیں چہرے پہ نور کیا باعث

اپنے سائے سے کیوں جھجکتا ہے / کچھ تو کہہ رشک حور کیا باعث

دل میں اک پھانس سی کھٹکتی ہے — غور سے دیکھ گھور کیا باعث

خشک رہتا ہے کیوں ترا دامن — زاہد بدشعور کیا باعث

شاید آواز میری بیٹھ گئی — چپ ہے شور نشور کیا باعث

توبہ ساقی سے مل گئی کیا ناز

شیشۂ مے ہے چور کیا باعث

ردیف (ج)

چلتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کے ساقی سے مست آج — توبہ سے کہہ دو در کرے بند و بست آج

گزرا شباب توبہ سے پیماں ہوئے درست — تازہ ہوا سرور شراب الست آج

ہم بے خودی میں پاس در مے کدہ رہے — اپنی جگہ سے پھر نہ سکے شیخ جست آج

ٹھنڈے پڑے ہیں ساغر و مینائے میکدہ — آیا ضرور محتسب تیز دست آج

محفل میں کس کی نرگس شہلا کا دور ہے — بے جام و بادہ سب نظر آتے ہیں مست آج

ہو حق کا لطف حلقۂ رنداں سے اٹھ گیا — ناحق جناب شیخ نے حق پرست آج

گر کر نگاہ یار سے پھر چڑھ گئے ہیں ناز

آئے نظر جہاں کے بلند اور پست آج

کیا جانے شب وصل کہاں کی ہے سحر آج

جھنپی سی نظر آتی ہے کچھ ان کی نظر آج

آتے ہی شب وصل کے کیا سو گئی تقدیر
دیتے ہیں اذاں شام سے مرغان سحر آج

گریاں رہے کل تک دل گم گشتہ کی خاطر
کیا جان کو رو دیں گے مرے دیدۂ تر آج

کیا جانیے کیا ہو ترے بیمار کی حالت
گزرے جو اسی طور سے دو چار پہر آج

دل تھام کے بیٹھے وہ جگر تھام کے اٹھے
اتنا تو کیا ہے مرے نالوں نے اثر آج

کچھ نشہ ہے کچھ نیند ہے کچھ غصہ ہے کچھ شرم
آنکھوں سے کھلا رات کی صحبت کا اثر آج

پھر خیر سے سوجھی ہے شرارت کی کوئی چال
پھر آپ نظر آتے ہیں آمادۂ شر آج

موزِ دل نہ ہوا ایک بھی اندازِ نقاب آہ
کیا کیا ترے رخسار پہ بکھری ہے نظر آج

فردا کے بھروسے پہ جیے اپنی بلا پھر
بھولے سے چلے آئیں اگر وہ مرے گھر آج

سوزِ غم فرقت کا بھرم کھل گیا آخر

آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو بن کے جگر آج

یہ ناز کی محفل ہے یہاں وعظ کا کیا کام
کوسے نہ بچیں شیخ جو آئے ہیں ادھر آج

ردیف (ح)

الٰہی غیر بھی سو جائے پاسباں کی طرح
وہ حال دل مرا سنتے ہیں داستاں کی طرح

یہ کیا کہ آؤ تو دل بن کے جاؤ جاں کی طرح
ہمیں پسند نہیں مرگ ناگہاں کی طرح

تمھارا کشتۂ رفتار جب سے دفن ہوا
زمیں بھی پڑ گئی چکر میں آسماں کی طرح

اڑی ہے خاک بتوں کی بھی مرے دل کے ساتھ
مکیں بھی ہو گئے برباد اس مکاں کی طرح

کہاں کی گالیاں وہ دل میں چٹکیاں لیں گے
چلے گا ہاتھ بھی ان کا ابھی زباں کی طرح

خدا بچائے قیامت اٹھانے والی ہیں
وہ ترچھی ترچھی نگاہیں وہ بانکی بانکی طرح

رکھا کہیں کا نہ سوزِ نہاں نے بلبل کو
لگائی آگ قفس میں بھی آشیاں کی طرح

تمھارے ظلم کی کیا داد میرا دل دیتا
نہ امتحاں کبھی لیا تم نے امتحاں کی طرح

حرم میں ناصیہ سائی سے ہم یہ سمجھے ہیں
اڑا نہ لی ہو ترے سنگ آستاں کی طرح

شب فراق جنوں نے یہ پاؤں پھیلائے
کہ تنگ ہو گیا صحرا مرے مکاں کی طرح

چلے تو ہو مرے ارمانوں سے بگڑ کر تم
بھٹکو گے یوسف گم کردہ کارواں کی طرح

یہ بزم ناز نہیں جلوہ گاہ محشر ہے
یہاں تو منہ نہ چھپائے کوئی دہاں کی طرح

ردیف (خ)

ناتوانی میں بھی ہے کوچۂ دلدار کا رخ
دیر سے دیکھ رہا ہوں دل بیمار کا رخ
ساتھ دیتا نہیں پامال ستم کا کوئی

پھر گیا مجھ سے ترے سایۂ دیوار کا رخ

ظاہری قید سے آزاد ہیں اہلِ باطن
ہے نظر جانب تسبیح نہ زنار کا رخ

میں بھی ہوں قتل گہ عام میں اغیار بھی ہیں
دیکھیے کس کی طرف ہو تری تلوار کا رخ

دید کیا کعبہ کہاں تو جو دکھا دے جلوہ
ہو ابھی ایک طرف کافر دیندار کا رخ

جنس دل دینے میں حجت نہیں تکرار نہیں
دیکھ لیتے ہیں مگر پہلے خریدار کا رخ

دشت کی سیر ہے منظور مجھے گھر بیٹھے
در و دیوار پہ ہے دیدۂ خونبار کا رخ

دل دیدار طلب لے کے وہیں پہنچے نازؔ
جس طرف دیکھ لیا جلوہ گہ یار کا رخ

ردیف (د)

خامشی عرض حال ہے شاید   میری صورت سوال ہے شاید
نہیں آنکھوں میں آپ کی ڈورے   یہ محبت کا جال ہے شاید

اپنے سایے سے بچ کے چلتے ہو
میری یہ دیکھ بھال ہے شاید

یاد آتے ہیں ہوش کھوئے ہوئے
اب طبیعت بحال ہے شاید

اپنی صورت کو کیوں چھپاتے ہو
یہ بھی چور دل کا حال ہے شاید

دے رہی ہے جواب گویائی
کوئی پر ساں حال ہے شاید

کیوں ٹپکتی ہے آنکھ سے حسرت
شیشۂ دل میں بال ہے شاید

یا نہیں دوستی کے ہم قابل
یا محبت کا کال ہے شاید

جان دینے پہ فخر کیسا نازؔ
عاشقی کچھ کمال ہے شاید

ہاتھ کب ہوں ترے پابند حنا میرے بعد
خون ناحق میں رہا کچھ نہ مزا میرے بعد

کشتۂ عشق دہن کا ترے جینا معلوم
ہو گیا گم اثر آب بقا میرے بعد

صرف وحشت کا تخیل تھا کہاں کی لیلیٰ
قیس کیوں مفت میں بدنام ہوا میرے بعد

چشم مشتاق کے دم تک ہے فقط حسن کی شان
چار دن بھی نہ رہے گی یہ ہوا میرے بعد

جان لے کر مری نکلی ہے جو اللہ رے ناز

پھر نہ آئی تری آنکھوں میں حیا میرے بعد

دے کسے جا کے تری زلف پریشاں کا پیام
خاک اڑاتی ہوئی پھرتی ہے صبا میرے بعد

قبر پر آئے ہیں وہ میری عدو سے لڑ کر
کام آئی ہے مرے میری وفا میرے بعد

غیر کی جان نہ مٹھی میں نہ دل پہلو میں
دام پھیلاتی ہے کیا زلف رسا میرے بعد

قیس دیوانہ ہے فرہاد ہے پتھر پھوڑا
دیکھیے ملتی ہے کس کو تری جا میرے بعد

قدر انداز تھے وہ جذب خلش سے میرے
تیر اب روز خطا ہونے لگا میرے بعد

چشم جوہر پہ تری باندھ دی کس نے پٹی
خنجر یار تجھے ہو گیا کیا میرے بعد

خانۂ ویران محبت کوئی شاید مل جائے
در بدر پھرتا ہے آشوب بلا میرے بعد

منظر عام ہے اب اور جفا کی تصویر
ہو گیا ختم تماشائے وفا میرے بعد

بے سبب ہوش عدو کے نہیں اڑتے شاید
کھل گیا ہے قفس رنگ حنا میرے بعد

سب تماشائی ہیں اب کوئی خریدار نہیں
کس کو دکھلاتے ہیں یہ ناز و ادا میرے بعد

تم مجھے قتل تو کرتے ہو۔ کرو گے پھر کیا
یاد آئی جو کوئی تازہ جفا میرے بعد

میری توبہ سے زمانہ ہوا تائب اے ناز
مے کا اک گھونٹ کسی نے نہ پیا میرے بعد

قفس سے چھوٹ کے بلبل رہے کہاں صیّاد
نہ دل میں گل کے جگہ ہے نہ آشیاں صیّاد

اسیر کر کے مجھے فصل گل میں ہنستا ہے
خدا کرے کہ گریں تجھ پہ بجلیاں صیّاد

پھنسی جو دام میں بلبل چمن بھڑک اٹھا
تمام آتش گل ہو گئی دھواں صیّاد

پیام گل کا جواب اے صبا میں کیونکر دوں
شکستہ بال۔ قفس بند۔ پاسباں صیّاد

ہوائے نالہ بلبل سے تیر برسیں گے

جو شاخ گل کی بنائے گا تو کماں صیّاد

پروں کو کھول کر احسان کیا جتاتا ہے

قفس کو لے کے اڑ دوں گا کہاں کہاں صیاد

امید توڑ کے کرتا ہے کیوں مجھے برباد

اس ایک شاخ پہ ہے میرا آشیاں صیّاد

شگوفے پھوٹے کہ نچنے لگیں مری کلیاں

بہار آئی ہوا مجھ سے بدگماں صیّاد

نہ مجھ سے چھوٹیں گے نغمے نہ اسکی جائیگی ضد

ہوا نہ ہوگا کبھی مجھ پہ مہرباں صیّاد

ابھی وہ ناز مرے رنگ پہ نہیں آیا

ابھی سمجھ نہیں سکتا مری زباں صیاد

ردیف (ڈ)

بلبل خزاں میں خار و خس آشیاں نہ ڈھونڈ

اجڑے ہوئے چمن میں نشانِ مکاں نہ ڈھونڈ

بولی شب لحد یہ سر منزل عدم

مجنوں نشانِ ناقہ پسِ کارواں نہ ڈھونڈ

دشمن ہیں دانو گھات ہیں نازک مزاج یار
پہلو شکایتوں کے دل بدگماں نہ ڈھونڈ

الزام بے ثباتی عالم تجھی پہ ہے
غافل جہاں میں عیش وغم جاوداں نہ ڈھونڈ

تار نظر ہوں خود نظر آنا محال ہے
اے لاغری نشان تن ناتواں نہ ڈھونڈ

پہلے ہی آپ اپنے سے میں کوسوں دور ہوں
مجھ کو جہاں میں دیدۂ اہل جہاں نہ ڈھونڈ

ہے ناوک نگاہ کی بیکار چھان بین
دل میں ہمارے غیر کو اے بدگماں ڈھونڈ

نشے شباب کا کم ہو چلا ہے ناز
ظالم بس اب تو کوچۂ پیر مغاں نہ ڈھونڈ

ردیف (ر)

ہٹائے اپنے گیسو آپ نے رخ سے جو رہ رہ کر
شب وعدہ رہی بے نور نکلا چاند گھہ گھہ کر

کسی گھر کا نہ رکھا مجھ کو اس بے تابی دل نے

برابر ہو گئی ہے زلزلوں سے قبر دہ دہ کر

بنایا تیغ ابرو کو کبھی تیر ان کی مژگاں کو

انہیں قاتل کیا ہے ہم نے کس مشکل سے کہہ کہہ کر

ہمارا ہی تو دل لے کے آخر تم بنے دلبر

تمہاری خو بگاڑی ہے ہمیں نے ظلم سہہ سہہ کر

وہ جوڑا کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں بزم دشمن ہیں

مرے سینے پہ کیا کیا لوٹتے ہیں سانپ رہ رہ کر

وہ ہنس ہنس کر تماشا دیکھتے ہیں دیدۂ تر کا

ہماری آبرو کھوئی ہے ان اشکوں نے بہہ بہہ کر

نہ چھوڑا بے پلائے جام الفت ناز ساقی نے

مجھے بدمست آنکھوں کو مری سرشار کہہ کہہ کر

نہ جانے تم کہاں سوئے تھے میرے میہماں ہو کر

میں ساری رات جاگا ہوں نصیب دشمناں ہو کر

مری تربت پہ آکر اس نے ڈالے ہار پھولوں کے

مرے باغ تمنا میں بہار آئی خزاں ہو کر

بنانے دشمن جاں کیوں تمھیں گر یہ خبر ہوتی

مرے وعدے وفا ہوں گے رقیبوں سے جواں ہو کر

کھٹک جاؤ گے غیروں سے نہ چھیڑو مجھ کو جانے دو
چھپا ہے دل کا ہر کانٹا مرے منہ میں زباں ہو کر

پھرا کرتا ہے سر جب سے مرے پائے طلب ٹوٹے
مجھے چکر میں ڈالا ہے زمیں نے آسماں ہو کر

جھٹکتے ہو جو بال اپنے نہا کر حسن بڑھتا ہے
کلائی سے لپٹ جاتے ہیں گیسو چوڑیاں ہو کر

دیے بوسے شب مہتاب میں جب غیر کو تم نے
ابھر آئے مرے سینے پہ داغوں کے نشاں ہو کر

دھریں صیاد پر کیا خانہ ویرانی کی تہمت ہم
رہے ہیں آشیاں میں بھی تو داغ آشیاں ہو کر

قسم لو جو بھولے سے بھی اب دشمن کا ذکر آئے
چلے اٹھ کر کہاں پہلو سے تم نامہرباں ہو کر

نشانہ تاکتے ہیں اہل دنیا جھک کے ملنے میں
چھٹیں گے تیر کی صورت جو ملتے ہیں کماں ہو کر

انھیں دشمن سے باتوں میں لگا کر وعدہ لیتے ہیں
مزہ آئے جو "نہیں" منہ سے نکل جائے جو "ہاں" ہو کر

خوشی ہے ان کے آنے کی مگر غم ہے تو یہ غم ہے

رہے کیوں روز تنہائی نصیب دشمناں ہو کر

دم اظہار دل کے آبلے آجائیں گے لب پر

ہمارا سوز پنہاں رنگ لائے گا عیاں ہو کر

گئے تھے کربلا کی سمت بیت اللہ میں جا نکلے

جناب ناز کو دیکھو کہاں پہنچے کہاں ہو کر

خاک ڈالی اب تو نہ قاتل مرے ارمانوں پر

جھک گیا ہے مرا سر تیغ کے احسانوں پر

حسرتیں خون ہوئیں کھیل گئے جانوں پر

بیکسی روتی ہے عشاق کے ارمانوں پر

کھول کر زلفیں نہ مانگو دل صد چاک مرا

سانپ سر چڑھ کے نہ لہرانے لگیں شانوں پر

غیر اور بوسہ رخسار غلط ہے الزام

جھوٹے قرآن اٹھایا کریں قرآنوں پر

بے خود دیدہوا کیوں کوئی موسیٰ تو نہ تھا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں کیوں مرے اوسانوں پر

رحمت عام سے ہے شرم گنہ بھی عصیاں

جرم ناکردہ گنا ہی ہے پشیمانوں پر

ضد ہے منہ خم سے لگا کر جیسے پینا ہے پیے
ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے ہیں وہ پیمانوں پر

قصہ وصل عدو کچھ مری فریاد نہیں
مہرباں آپ نے کیوں ہاتھ دھرے کانوں پر

حضرت شیخ کے قبضے میں ہوئی بنت عنب
جب سے توبہ کا اجارہ ہوا مے خانوں پر

غربت وکوہ کنی حصہ قیس وفرہاد
مشق سی مشق ستم وہ بھی تن آسانوں پر

بے وفائی ہی سہی داد وفا سے گزرا
خاک ہی ڈال دے کوئی مرے ارمانوں پر

وحشت خاطر عاشق کی ہے الٹی تدبیر
بکھری پڑتی ہے تری زلف رسا شانوں پر

کعبہ دل میں جگہہ دے کے بتوں کو اے نازؔ
خوب پتھراؤ کیا تم نے مسلمانوں پر

لگا نہ ماتھے پہ اپنے قشقہ نشاں سجدہ مٹا مٹا کر
بتوں سے کیا لے گا نازؔ مل کر خدا خدا کر

عوض ستم کا کرم سے دے تو جفا کرے کوئی تو وفا کر

دعائیں دے بد دعا کے بدلے بڑوں کا ساتھی نہ بن بھلا کر

جو مینہ برستے میں پھول لائے وہ شاخ امید بے ثمر ہے

ہنسی وہ کس کام کی تمہاری جو آئے مجھ کو رلا رلا کر

سمجھ کے مقتل کا رنگ قاتل حنائی ہاتھوں کو چومتا ہے

تمہارے شہیدوں میں ہو گیا ہے عدو بھی داخل لہو لگا کر

نہ پوچھو روتے ہیں کیوں پرو کے تمہاری ایک ایک لٹ میں موتی

ہم اپنی قسمت بگاڑتے ہیں تمہاری زلفیں بنا بنا کر

حجاب و شوخی کی کشمکش سے وہ آج بجلی بنے ہوئے ہیں

کبھی دکھاتے ہیں منہ چھپا کر کبھی چھپاتے ہیں منہ دکھا کر

اٹھا دو آنکھ اس طرف تو دیکھو ابھی کسر ایک تیر کی ہے

اڑا کے دل بے رخی یہ کیسی کہاں چلے تم نظر چرا کر

چھٹی ہے مستی بہا ہے کاجل نہ بال سنورے نہ منہ پہ رونق

ہوئی ہے کس سے یہ ہاتھا پائی کہاں سے آئے ہو لٹ لٹا کر

الٰہی کیسی یہ گدگدی ہے کہ دل میں لیتی ہے چٹکیاں سی

رلائے دیتا ہے کوئی مجھ کو مزے مزے میں ہنسا ہنسا کر

تصدق ان کالے گیسوؤں کا پلا ہمیں آج پھول ساقی

کھلا رہی ہیں نئے نئے گل یہ کالی کالی گھٹائیں چھا کر

ہوئی ہے طور تیری محفل کہ ٹھوکریں غیر کھا رہے ہیں
غضب کا اندھیر کر دیا ہے مرا چراغ وفا بجھا کر

پھنسے جو بار دں میں شیخ صاحب تو خوب مرتبہ بنا کے رکھا
چڑھا دیا بانس پہ بالآخر پلا کھلا کر کھلا پلا کر

کہاں گئی نازلن ترانی غرور وہ کیا ہوا تمھارا
یہ کس کے پاؤں پہ سر جھکا ہے ادھر تو دیکھو نظر اٹھا کر

کیا خبر تھی کہ نہ دوگے دل شیدا لے کر
یوں مکر جاؤ گے تم مال پرایا لے کر

سر پہ کیوں لائے بلا نام بلا کا لے کر
کون سودائی بنے زلف کا سودا لے کر

موت نے بھی نہ کیا آہ علاج تب غم
اور بگڑا ترا بیمار سنبھالا لے کر

خط بھی لایا ہے تو لایا ہے عدو کا لکھا
نامہ بر آیا ہے کیا زہر کی پڑیا لے کر

صدمۂ رشک عدو، جور فلک، کاوش یار
رکھ دیا دل پہ غم عشق نے کیا کیا لے کر

خوگر جور و ستم ہم بھی ہیں کیا نام خدا

ظلم کرتے ہیں حسیں نام ہمارا لے کر

ہائے بے رحمی الفت یہ خبر تھی کس کو

دل میں پچھتائے گی یوسف کو زلیخا لے کر

فصل گل آنے دے اے دست جنوں صبر تو کر

کیوں بڑھا آتا ہے سینے پہ تقاضا لے کر

دل جگر سے تو جگر دل سے سوا ہے بیتاب

ایک کا ایک سنبھلتا ہے سہارا لے کر

داور حشر ہماری بھی کہانی سن لے

آئے ہیں قصہ طول شب یلدا لے کر

چارہ گر بھول کے لینا نہ کبھی نام شفا

در درہ جائے گا منہ اپنا ذرا سا لے کر

رخصت اے صبر و سکوں عقل و خرد ہوش و حواس

بیکسی بس ہے کریں گے تمہیں ہم کیا لے کر

آگ لگ جائے گی ظالم ترے ارمانوں میں

ہجر میں اے دل بیتاب نہ یوں نالے کر

دیکھ کچھ اپنی سفیدی کی طرف بھی اے شیخ

اب نہ یوں نامہ عصیاں کے ورق کالے کر

نازؔ بس آج سے اب دل نہ لگانا ہرگز
منہ سے تم نام بھی ان مہروشوں کا لے کر

اقرار توڑ جان پہ میری یہ چال کر
خنجر کے بدلے پھیر کے آنکھیں حلال کر

جاتے کہاں ہو میری شب وعدہ ٹال کر
دینے چلے ہو کس کو مرا دم نکال کر

پھیلائے ہیں دعا کے لیے دھو کے جاں سے ہاتھ
ہم بھیک مانگتے ہیں پیالہ کھنگال کر

ترک وفا تو ہو چکی بے دید تو نہ بن
تو خواب ہی میں آ کبھی کچھ تو خیال کر

دشمن نے شوق دید پہ ابھی یہ چوٹ کی
مارا ہے مجھ کو آنکھ کا ڈھیلا نکال کر

چوٹی کا عشق ڈال گیا ہے خدا کی مار
حاصل ہوا ہے یہ مجھے موذی کو پال کر

آ جا کہ موت کو بھی ترا انتظار ہے
بیٹھا ہوا ہے مجھ کو سنبھالا سنبھال کر

میری وفا سے پوچھ لو اپنی جفا کا حال

منہ اپنا دیکھو میرے گریباں میں ڈال کر

ساقی کی شوخیوں نے کیا بے پیے ہی مست
دیتا ہے مجھ کو فقرہ بھی ساغر میں ڈال کر

صدقہ یہ ہاتھ کا تھا جو مجھ پر کیا ہے وار
دے پاؤں کی زکوٰۃ کہ دشمن پہ چال کر

شوخی کی مخبری کہیں بند صوانہ دے تمہیں
آنکھیں اگر چراؤ تو کچھ دیکھ بھال کر

آئے ہیں وہ تلافی مافات کے لیے
یارب مرے نصیب سے ماضی کو حال کر

جلتے ہو مہ رخوں پہ تو دل تانہ تھام لو
ٹکڑے ملیں گے چاند کے جھولی سنبھال کر

تسلی کیا کرو گے ہاتھ رکھ کر قلب مضطر پہ
تمہیں تو پھیرنا آتا ہے پانی دیدۂ تر پر

ہزاروں ہوش کھو بیٹھے ہیں چشم مست دلبر پہ
بہت سی نیتیں ٹھٹکی ہوئی ہیں ایک ساغر پر

بقدر ظرف سب کو بادۂ دیدار ملتا ہے
نظر نیچی کیے بیٹھے ہیں ہم اپنے مقدر پہ

کہیں دل نے بھلا دی ہو نہ یاد جنبش مژگاں
رگ جاں میری دم دینے لگی ہے نوک نشتر پہ

برہمن سے نہ پوچھ اپنی نظر سے دیکھ اے واعظ
ہمیں کچھ شک ہے بت کا سا ترے کعبے کے پتھر پہ

چھری چین جبیں سے لو جو دل پر وار کرنا ہے
مرا زخم جگر قبضہ کیے بیٹھا ہے خنجر پہ

مجھے آنے لگا ہے چاندنی کا لطف فرقت میں
پڑی تھی ایک دن پرچھائیں سی تیری مرے گھر پہ

لگاتی گر نہ دھبا دخت رز کو صحبت ناداں
ادا کرتے فرشتے بھی دوگانہ دامن تر پہ

ادا سے کام لیں قصہ چکے کیوں چپکے بیٹھے ہیں
اشارہ ہو جواں کا خود گلا رکھ دوں میں خنجر پہ

اڑا دو خاک میری بعد مردن بھی تو لطف آئے
چڑھا دو ایک چادر اور تم تربت کی چادر پہ

عیاں ہے ہر شکن سے اضطراب دل کی کیفیت
تڑپتی ہیں ہزاروں مچھلیاں سی میرے بستر پہ

تم آؤ یا اجل آئے ملو یا قتل کر ڈالو

ذرا سی بات ہے اس کو اٹھا رکھو نہ محشر پہ

مرا سر کاٹ کر احسان قاتل کیا جتاتا ہے

اتارا بوجھ اک کاندھے سے رکھا دوسرا سر پہ

بتوں کو دے کے تحریص نمائش کر دیا خودبیں

کوئی اس آئنے کو پھینک دے گورِ سکندر پہ

مئے خوش رنگ سے اے ناز توبہ کا یہ مطلب ہے

پئیں گے ہاتھ سے ساقی کے چل کر حوضِ کوثر پہ

پاس آ کر نہ کہہ زبان سے دور — جاں دے دوں گا تیری جان سے دور

خاکساروں سے تم ملو کیونکر — ہے زمیں کتنی آسمان سے دور

جتنا تم تنتے ہو میں جھکتا ہوں — تیر ہوگا نہ اس کمان سے دور

میری وحشت نے کر دیا بیزار — در و دیوار ہیں مکان سے دور

اٹھ کے کوئی لپٹ نہ جائے کہیں — تم نہ بیٹھو اس آن بان سے دور

غیرتِ عشق دیکھ اے مجنوں — رہتا ہے ناقہ ساربان سے دور

بزمِ دشمن میں کیوں جھجکتے ہو — پاس ہوں میں تمھارے دھیان سے دور

غیر بیڑا اٹھا نہ لے کوئی — آپ بیٹھے ہیں پاندان سے دور

لے لیے بوسہ دل نثار کیا

ناز ہے یہ تمہاری شان سے دور

کیوں نہ ہوں پا کو بیاں میدان محشر دیکھ کر

اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

کٹ گئے دن یاس کے برگشتہ تیور دیکھ کر

بہہ گئی آنکھوں سے حسرت آب خنجر دیکھ کر

آئینہ پیش نظر ہے اور دل ہے ہاتھ پر

چوٹ کھا بیٹھے ہیں وہ بھی اپنا ہمسر دیکھ کر

مرنے والوں کی بھی کیا پھوٹی ہوئی تقدیر ہے

قتل کو لائے ہیں وہ ٹوٹا سا خنجر دیکھ کر

جس جگہ اڑتی تھی مے اب ہوش اڑتے ہیں وہاں

جی بھر آتا ہے خالی جام و ساغر دیکھ کر

بے حجابی نے دکھائے مجھ کو انداز حجاب

میں ہوا بے خود نہیں جامے سے باہر دیکھ کر

کیوں الٹتے ہو نقاب روئے روشن خیر ہے

تم کو حیرت ہو نہ جائے مجھ کو ششدر دیکھ کر

ناظر و منظور دونوں محو خود بینی ہوئے

آئینہ تجھ کو بنانا تھا سکندر دیکھ کر

خوب پر پرزے نکالے واہ رے جذب خلش

وہ لگاتے ہی نہ تھے ناوک کو بے پر دیکھ کر

دیکھیے کیا شکل ہو افتادگانِ خاک کی

حشر اٹھا فتنۂ رفتار دلبر دیکھ کر

کیا ستم ہے وہ کفن سے بھی اٹھا بیٹھے ہیں ہاتھ

آنکھ سے بہتے ہوئے اشکوں کی چادر دیکھ کر

مجھ سا رند اور باغ جنت تیری بخشش کے نثار

ہو گئیں سرشار آنکھیں حوض کوثر دیکھ کر

کب مصیبت میں چلا اسباب راحت کا فریب

نیند اڑ جاتی ہے اپنی بالش پر دیکھ کر

حضرت واعظ نگاہوں میں پیے جاتے ہیں کیا

کیوں کھلا جاتا ہے ساقی سوئے منبر دیکھ کر

دل میں ان سنگیں دلوں کا اور بھی گھر ہو گیا

بڑھ گئی توقیر بت کعبے میں پتھر دیکھ کر

ضبط غم سے دل کی دل ہی میں رہے گی موج اشک

آپ اندیشہ نہ کیجے دیدۂ تر دیکھ کر

منزل الفت میں وحشت اپنے سائے سے بڑھی

اور بھی کھویا گیا میں ساتھ رہبر دیکھ کر

پیش آئینہ حجاب بدگمانی ہے انہیں
میری صورت دیکھتے ہیں اپنا ہمسر دیکھ کر
اک بت خود آشنا پہ جان دے بیٹھے ہیں نازؔ
ہم نے پھوڑا ہے مقدر اپنا پتھر دیکھ کر

کیا کیا خواب میں صورت دکھا کر | چلے تم نیند بھی میری اڑا کر
نہ کھلنے والی کلیاں بھی کھلا دیں | چمن میں آج تم نے مسکرا کر
کرم بھی ایک انداز ستم ہے | رلا دیتے ہیں ہم کو گدگدا کر
بگڑتے ہو ذرا سی بات پر واہ | لڑاکا ہو گئے آنکھیں لڑا کر
عدد ہے باوفا دم باز ہیں ہم | ذرا پھر تو کہو آنکھیں ملا کر
کہا ساقی نے مجھ کو دیکھ کر مست | بہت پچھتائے ہم اس کو پلا کر
کسی کا وصل میں شرما کے کہنا | سلوک اچھا کیا گھر میں بلا کر
کہا یہ دیکھ کر محشر میں مجھ کو | یہاں بھی تم ہوئے موجود آ کر
نہ جانے کیسے کیسے منہ دکھائے | ہمیں حیرت نے آئینہ بنا کر
بتوں کا نام جپنا چھوڑ دے نازؔ
خدا کو مان اب یاد خدا کر

ذوق سجدہ ہے کسی در پہ تو سر پیدا کر
شوق دیدار ہے دل میں تو نظر پیدا کر

یہ نئی ضد ہے شب وصل نرالی شوخی
کہتے ہیں شمع بجھا کر کہ سحر پیدا کر

فائدہ کیا دل خود رفتہ کا پایا جو پتہ
کسی گم گشتہ ہستی کی خبر پیدا کر

میری جاں اس تری عشاق نوازی کے نثار
حکم ہے شمع کو۔ پروانوں کے پر پیدا کر

بات پر جان نہ دے ساکھ کو اپنی نہ بگاڑ
جھوٹے موتی تو نہ اے دیدۂ تر پیدا کر

ان حسینوں کے نہ ملنے کی شکایت ہے فضول
دل میں کچھ جذب نگاہوں میں اثر پیدا کر

چار زخموں پہ نہ پھول اے دل آزار طلب
نخل الفت میں ابھی اور ثمر پیدا کر

کیا ہنسی کھیل ہے حور دل کا لبھانا واعظ
دل میں دو چار حسینوں کے تو گھر پیدا کر

بوالہوس ان سے اگر عشق کا دعوےٰ ہے تجھے
دل ہمارا سا ہمارا سا جگر پیدا کر

جستجو کوچۂ جاناں کی اگر ہے غافل

منزلِ عشق میں گم ہو کے خضر پیدا کر

داڑھیاں بیعت ساقی پہ نہ بکھرنے لگیں
نازِ خاموش ہو شیخوں میں نہ شر پیدا کر

پڑا نہ تھا ابھی ہاتھ ان کا تیغ و خنجر پر
نثار ہو گئے ہم اپنے سینہ و سر پر

ہے زندگی بھی دوبارہ تمہارے قبضے میں
کہ منحصر ہے قیامت تمہاری ٹھوکر پر

وہی خیال ہے تصویر کو وہ کس کو بھی
لیے ہے ہاتھ میں تیشہ نظر ہے پتھر پر

اب اس کو بھول سمجھ کر ہی پی لے اے زاہد
بہک کے ہاتھ اگر پڑ گیا ہے ساغر پر

تمھیں جو خواب میں دیکھا ہے دل نہیں ملتا
سحر سے ڈھونڈ رہا ہوں میں اپنے بستر پر

بشر ہو جو ہر قابل تو کیوں رہے محروم
ظہور برق تجلّی ہوا ہے پتھر پر

جفائیں کیجیے مجبور ہوں اٹھاؤں گا
مثل یہ سچ ہے کہ اللہ کا دیا سر پر

نظر کا وار قیامت بھی ہے خدا سے ڈرو
مرا لہو نہ بہاؤ زمین محشر پر

کبھی تو ناز کی جھوٹی شراب بھی پی لو
نہیں نہیں نہ کہو ہاتھ رکھ کے ساغر پر

ردیف (ز)

یہ کون بربطِ دل پر ہے زمزمہ پرداز
میں سن رہا ہوں عجب اک لطیف سی آواز

کسی کی مہر خموشی بھی ہے حکایتِ لطف
کسی کا طرزِ تغافل بھی ہے اشارتِ ناز

گماں یہ ہوتا ہے رہ رہ کے دل کی دھڑکن پہ
مجھے کسی نے پکارا کسی نے دی آواز

نہ دے بہشت میں کوئی فریبِ جلوۂ حور
ابھی ہے میرے تصور میں اک بتِ طناز

یہ زندگی ہے کوئی زندگی کہ قسمت میں
نہ عشوہ ہائے حسیناں نہ غمزۂ غماز

مری نگاہ نہیں جلوہ آشنا ورنہ

ہر ایک ذرہ عالم ہے آفتاب طراز

ابھی سے دل کو گلہ شیوۂ تغافل کا
ابھی تو ہے ترے انداز لطف کا آغاز

اگرچہ شاخ نشیمن نہ عہد غنچہ و گل
خدا کا شکر کہ باقی ہے حسرت پرواز

علی کے عشق میں ہے موت زیست کا حاصل
یہ نقد شوق وہ ہے ناز کو ہے جس پر ناز

ردیف (س)

بہار کی ہے نشانی یہی خزاں کے پاس
شکستہ پر سے پڑے ہیں جو آشیاں کے پاس

کبھی بشکل گدا اور کبھی بصورت شاہ
ہزار رنگ سے پہنچا ہوں پاسباں کے پاس

سر نیاز کہیں بھی مرا پہنچ نہ سکا
نہ تیرے در کے قریب اور نہ آسماں کے پاس

کسی کے فیض رفاقت سے جو رہی محروم
وہ جوئے خشک ہوں اک بحر بیکراں کے پاس

تری نگاہ نے جو راز مجھ کو بخشے تھے
امانتہً ہیں وہ محفوظ راز داں کے پاس

عجیب بات کہ جب شرح غم کا وقت آیا
رہے نہ شرح کے الفاظ ترجماں کے پاس

نہ پوچھ حال جنوں کی سبک روانی کا
کہ جا رہا ہوں کسی شوخ سر گراں کے پاس

سنا گیا ہے کہ ہے منزل مراد کہیں
حد عدم کے قریب راہ بے نشاں کے پاس

نہ آرزو نہ تمنّا نہ جذب شوق نہ شوق
بجز نیاز ہے کیا نازؔ نیم جاں کے پاس

ردیف (ش)

بے خودی میں حسرت دل کی تلاش
بیچ دریا میں ہے ساحل کی تلاش

زندگی میں سب ہیں گرم جستجو
ہے ہر اک منزل کو منزل کی تلاش

قرب میں یہ بُعد! وہ شہ رگ کے پاس
اور شہ رگ کو ہے قاتل کی تلاش

عقل و دانش دل نے سب کچھ کھو دیے
عقل و دانش کو رہی دل کی تلاش

راہزن ملتے رہے ہر گام پر
حد سے گزری خضر منزل کی تلاش

وہ نظر میں ہے جو آنکھوں سے ہے دور — دیکھنا اس آنکھ کے تِل کی تلاش

ہو گئی آثار پہ فارغ خرد — دل کو تھی عرفانِ کامل کی تلاش

دل میں وہ نظروں میں وہ رگ رگ میں وہ — قیس کو اب کیوں ہے محمل کی تلاش

دل لیے جاتے ہو کیا اس بزم میں — دلربائی کو ہے بے دل کی تلاش

عاقلوں کو میکشوں کی تاک جھانک — قُلقُلِ مینا کو عاقل کی تلاش

مدعی الفت کے لاکھوں پھر بھی ناز
نقشِ الفت کو ہے عامل کی تلاش

ردیف (ص)

حد بیخودی شوق کی اے خانۂ اخلاص — اخلاص محبت خطِ پیمانۂ اخلاص

عقل و خرد و ہوش دماغ و دل احساس — بازار تمنا میں ہیں بیعانۂ اخلاص

کیا قابل عبرت ہے یہ نیرنگ زمانہ — دنیا میں یگانے بھی ہیں بیگانۂ اخلاص

محفل میں نہ تھا جوہریِ نقد وفا ایک — گو شمع لٹاتی رہی دُردانۂ اخلاص

آنکھیں ہیں مئے عشق کے پیمانۂ لبریز — دل کہتے ہیں جس کو وہ ہے خمخانۂ اخلاص

کیا شیخ پڑھا کرتا ہے اخلاص کا سورہ — مجھ سے بھی تو سن لے مرا افسانۂ اخلاص

دیکھے کوئی تیری تپشِ دل کو نہ دیکھے — پروانہ گر اس بات کی پروانۂ اخلاص

گر خاک بھی چھانی تو نہ پایا زرِ خالص — سودائی ہے وہ اب جو ہے دیوانۂ اخلاص

دیکھا ہے بڑے غور سے ہر گوشے کو اے ناتہ
کل عالم ایجاد ہے پروانۂ اخلاص

ردیف (ض)

اپنے ساقی سے ہمیں مطلب ہے کیا جم سے غرض
مانگتے ہیں خیر مے خانے کی عالم سے غرض

تم پڑے اینڈا کرو تم کو شب غم سے غرض
خواب راحت کو تمھارے زلف برہم سے غرض

آپ کی نخوت ہمارا عجز دونوں ہیں درست
آپ سے ہے کام ہم کو آپ کو ہم سے غرض

ہاتھ سے اپنے نمک چھڑکو کہ آ جائے مزہ
زخمی تیغ ادا ہوں مجھ کو مرہم سے غرض

جس کی گردن کے یہ قابل ہیں وہیں جاکر پڑیں
تیرے ہاتھوں کو بھلا کیا میرے ماتم سے غرض

کھل گیا رونے کا میرے بزم دشمن میں بھرم
ایک بھی حسرت نہ ٹپکی چشم پر نم سے غرض

آگ لگ جانے کا شاید غیر کے گھر میں ہے ڈر

ورنہ ان کو شکوۂ سوزِ شب غم سے غرض

معجزہ قم کا مرے جلاد کی ٹھوکر میں ہے

کشتۂ رفتار کو عیسیٰ مریم سے غرض

آسماں تیرے فرشتوں تک نے یاں سجدے کیے

تجھ کو بھی جھکنا پڑے گا ابن آدم سے غرض

یاد رکھے دور میں ساقی اگر ہم مست ہیں

کچھ زیادہ سے ہمیں مطلب نہ کچھ کم سے غرض

وہ ہیں اور چشم تماشا دہ ہیں اور جوش شباب

ان کو نا محرم کا ڈر ہے اب نہ محرم سے غرض

جان دینے کی مرے سن کر خبر بولے وہ ناز

مرگیا مرنے بھی دو اچھا ہوا ہم سے غرض

ردیف (ط)

خیال وصل کو کیا چشم انتظار سے ربط

مرے سرور نے سیکھا نہیں خمار سے ربط

دکھا کے آنکھ کیا بے پلائے مست الست

مغاں نے دیکھا جو ساقی کا بادہ خوار سے ربط

کنشت و کعبہ میں کچھ کشمکش سی ہے شاید
مری جبیں کو نہیں آستان یار سے ربط

اک آپ ہیں کہ نہیں کچھ لگاؤ ہی مجھ سے
ہے ورنہ گل سے عنادل کو گل کو خار سے ربط

گیا شباب یہ سوز و گداز ہے بے کار
چراغ صبح ہوں کیا مجھ کو بزم یار سے ربط

انہی سے جب نہیں مطلب تو رشک دشمن کیا
بلا سے اپنی وہ رکھا کریں ہزار سے ربط

ادا ادا سے تمھاری دو رنگی ظاہر ہے
کہ تم کو پیار سے نفرت ہے اور پیار سے ربط

نہاتی چشمۂ خورشید میں سدا شبنم
امید زیست کا ہوتا جو وصل یار سے ربط

یہ چال ہے کوئی خون وفا چھپانے کی
بڑھا رہے ہیں وہ کیوں میرے سوگوار سے ربط

مثال غنچۂ تصویر ہوں جہاں میں نازؔ
خزاں سے مجھ کو علاقہ نہ کچھ بہار سے ربط

مدعی اور آپ کو دے دل غلط
بوالہوس اور عشق ہیں کامل غلط

شوق وصل آب دریا ہے سراب
اضطراب سایۂ ساحل غلط

ہر خطا ہو در خور پاداش جھوٹ
ہر ستم ہو داد کے قابل غلط

ڈر گیا خون تمنا دیکھ کر
مہرباں مجھ پر ہوا قاتل غلط

اڑ رہی ہے یہ وفاداری کی خاک
کیا یہ مجنوں ہے پس محمل، غلط

رہبری پائے شکستہ کی صحیح
بیٹھنا لیکن سر منزل غلط

سچ تو ہے یہ چاند میں بھی داغ ہے
آپ کے ماتھے کا ہے کب تل غلط

مضطرب ہے زیر مدفن نعش بھی
میری چھاتی پر ہے غم کی سل غلط

نازؔ ہے اور بیوفائی کا ظہور
جھوٹ بالکل سر بسر باطل غلط

ردیف (ظ)

ہے اجارے میں ترے خلد تو کیا ہے واعظ
ہم گنہگاروں کا وارث بھی خدا ہے واعظ

پھر گئی ساقی کو تیری نظر دیکھ لیا
یہ ترے زہد ریائی کی سزا ہے واعظ

تجھ کو مانیں جو ہیں ہفتاد و دو ملت والے

اپنا مشرب تو زمانے سے جدا ہے واعظ

کیوں ترے کہنے سے ہم نقد کو نسیہ کر دیں

حوضِ کوثر میں اگر مے نہیں کیا ہے واعظ

ہم تو مے خانہ الٹ کر بھی نہیں شرماتے

ایک خُم توڑ کے تو پھول گیا ہے واعظ

مے کشی ہے مری مقبول کہ تیری توبہ

کیا خبر کون بھلا کون برا ہے واعظ

منحرف پیرِ مغاں سے نہ ہو پی لے دو گھونٹ

جرمِ ناکردہ گناہی بھی خطا ہے واعظ

پس ہے افشردۂ انگور سے میرا ساغر

تو سمجھتا ہے مئے ہو شربا ہے واعظ

آئے تھے بہر سرِ دار در چلے بن کے خمار

مے کدے کی بھی عجب آب ہوا ہے واعظ

آنکھ میں اشکِ ندامت ہیں اگر ہاتھ میں جام

پینے والا کوئی ایسا بھی سنا ہے واعظ

نا آنے سے رند کے لب پر بھی ہے توبہ توبہ

بعد مدت کے ترا رنگ جما ہے واعظ

ردیف (غ)

کیا ہو گیا جو کھا یئے لالے نے چار داغ
میرا جگر تو دیکھ کہ ہیں سو ہزار داغ

دل میں ابھی جگہ ہے تمنائے خام کی
کچھ اور ہوں عطا مرے پروردگار داغ

وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کیے جاتے ہیں اُدھر
اپنی ابھار رہا ہے اِدھر بار بار داغ

ڈالی نہ تم نے خاک جو دل کے غبار پر
روشن رہے گا بن کے چراغِ مزار داغ

گل ہو گیا ہے جب سے چراغِ رہِ امید
میری نظر میں ہے چمنِ روزگار داغ

مجھ کو یہی خیال ہوا صبح ہو گئی
روشن ہوا جو دل میں شبِ انتظار داغ

اے نازؔ ذکرِ معرکۂ کربلا ہے آج
غم نے دیے ہیں دل کو بہتّر ہزار داغ

کیا جلائے گا مجھے فرقت میں بجھ کر اب چراغ
دل مرا کانِ محبت کا ہے لعلِ شب چراغ

دیکھ لی لیلیٰ کی صورت میں مقدر کی چمک
بن گیا صحرائے مجنوں میں مرا کوکب چراغ

لو ادھر آؤ کہ خود محفل میں خلوت ہو گئی
کیوں جلاؤ مجھ کو ٹھنڈا ہو گیا ہے جب چراغ

اس کے خوش ہونے پہ پروانوں کو جلنے سے غرض
میرے رونے پر تجھے ہنسنے سے کیا مطلب چراغ

میرے پھولوں میں وہ آئیں گے شب وعدہ تو کیا
گل کھلائے گا نئے ہنستا ہے زیرِ لب چراغ

جل رہے ہیں داغ ہجراں اشک شوئی کے لیے
دیکھ لو روشن ہیں بے روغن ہمارے شب چراغ

منہ دکھانے آئے ہو مٹی میں جب ہم مل چکے
ڈھونڈنے کیا خاک تم نکلے ہوئے کر اب چراغ

بجھ گیا دل لگ گئی جب سے کسی کی ناز کو
یہ جلایا ہے کسی ظالم نے کیا بے ڈھب چراغ

ردیف (ف)

ہزار چھوڑے شگوفے کوئی چمن کی طرف
ہمارا روئے سخن ہے ترے دہن کی طرف

ہوا یہ پردۂ شرم برہنگی حائل
خیال بھی نہ گیا نعش بے کفن کی طرف

قیامت آگئی اک گردش نگاہ کے ساتھ
زمانہ ہو گیا اس چشم سحر فن کی طرف

تلاش راہ عدم ہے ترے شہیدوں کو
کوئی کمر کی طرف ہے کوئی دہن کی طرف

دکھائی شیریں نے کیا جوئے شیر میں صورت
کہ رخ بدل گیا تیشے کا کوہ کن کی طرف

جو پوچھتا ہوں تماشائے حشر ہے کس جا
اشارہ کرتے ہیں سب تیری انجمن کی طرف

بجی ہے خانہ بدوشوں میں بازگشت کی دھوم
پلٹ رہا ہے مسافر ہر اک وطن کی طرف

فلک کو بادۂ ہوش آفریں سے کیا نسبت
جھکے کبھی نہ کوئی اس خم کہن کی طرف

الگ ہے دونوں سے میرا طریق مشرب ناز
نہ میں ہوں شیخ کی جانب نہ برہمن کی طرف

ردیف (ق)

دیکھنا جذب وفا ہیں شوخی تحریر شوق
رنگ رخ اڑتا گیا بنتی گئی تصویر شوق

انتظار وصل پر آخر یہ بیچارے پڑ گئے

پتلیاں آنکھوں کی پتھرا کر بنیں تصویرِ شوق

عشق کے ہاتھوں مقدر کا لفافہ کھل گیا

میرے ماتھے کی لکیریں بن گئیں تحریرِ شوق

تیری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا حسن کا

میرے کانوں سے کوئی آ کر سنے تقریرِ شوق

جیتے جی اے ہستیٔ موہوم آزادی کہاں

جان بندِ غم میں ہے دل بستۂ زنجیرِ شوق

وحشت آبادِ محبت میں جنوں کا غل نہیں

ہو گیا آباد شاید خانۂ زنجیرِ شوق

کٹ گئی خلوت نشیں بن کر زبانِ مدعا

آ لگے لب سے مری گویا لبِ شمشیرِ شوق

جان دے سکتا نہ یوں فرہاد تیشہ مار کر

پار ہو جاتا اگر سینے سے اس کے تیرِ شوق

ناصیہ سائی بتوں کے در پہ نادان اچھی نہیں

پھوٹ ہی جائے گی نازک ہے بہت تقدیرِ شوق

عالمِ دل ہے نورِ دیدۂ شوق میری ہستی ہے آفریدۂ شوق

چشم پوشی کی ہے طلب یعنی پیرہن ہوں مگر دریدۂ شوق

غنچۂ دل سے باز پرس نہ کر | اے نسیم وفا وزیدۂ شوق
مدعائے نظر ہے حسن نظر | ہمہ تن بن گیا ہوں دیدۂ شوق
آہوئے دشت قیس کی ہے تلاش | دیدۂ شوق ہے رمیدۂ شوق
نہ کھلی چشم منتظر نہ کھلی | مرحبا جاں بلب رسیدۂ شوق
ہو گئی ہر امید جذب فنا | مٹ گیا دل سے سب عقیدۂ شوق
چشم اشک آفریں کو کیا کہیے | جام لبریز ہے دمیدۂ شوق
تنگ صحرائے بے خودی ہوں میں | میرا ہر ذرّہ ہے کبیدۂ شوق
تار دامن ہوئے گریباں گیر | مدد اے دست نارسیدۂ شوق

جوش پر ہے شباب ان کا نازؔ
لکھ رہا ہوں ابھی قصیدۂ شوق

ردیف (ک)

ترے جلوے سے روشن ہو گئی شام غریباں تک
تری صورت کا پروانہ ہے شمع بزم ہجراں تک

نہ پہنچی لذت شوریدہ بختی زخم گریباں تک
تبسم نے کسی کے کر دیے پھیکے نمکداں تک

شب وصل آ کے الٹی پھر گئی وہ بھی ہوئے رخصت

حجابِ ضبط تو دیکھو نہ نکلا ایک ارماں تک

امید و بیم کی حد بھی کوئی وعدہ بھی کر ظالم

یہ ساری جسم و جاں کی کشمکش ہے اک ترے ہاں تک

خدا حافظ ہے اے دستِ جنوں اب مرحلہ مشکل ہے

کہ دامانِ خیالِ یار پہنچا ہے گریباں تک

تعجب کیا کہ پا کر بھی تجھے حسرت رہے تیری

سکندر رہ گیا پیاسا پہنچ کر آبِ حیواں تک

نگاہِ واپسیں آخر تری حسرت ہی کام آئی

قفس سے ہم کو ہاتھوں ہاتھ لائے ہیں گلستاں تک

کھلیں گے راز لاکھوں کفر کی نوبت اگر پہنچی

یہ ساری پردہ داری ہے فقط اک دین و ایماں تک

محبت میں ملے جو چیز نعمت ہے غنیمت ہے

کلیجے سے لگا رکھا ہے میں نے ان کا پیکاں تک

گیا دل چھٹ گئے غم سے گئی جاں مل گئی فرصت

یہ سب آنا رہا تھا دل تک یہ سب نقصان تھا جاں تک

ترے وحشی کی اب باہر کو بیوں کا کیا ٹھکانا ہے

الجھ کر رہ گیا دامن میں صحرائے مغیلاں تک

بہت نکلا اگر نکلا الجھ کر آستینوں سے
بہت پہنچا اگر دستِ جنوں پہنچا گریباں تک

اسی عشرت کدے سے میرے ان کو نازِ نفرت ہے
یہی خلوت سرا ہے وہ جہاں آتی ہیں ہمیاں تک

ستم کا ذکر ہی کیا امتحاں تک ۔۔۔ خموشی ہی خموشی ہے فغاں تک
ہمیں جینا پڑے گا امتحاں تک ۔۔۔ امید سود ہوتی ہے زیاں تک
وہاں اک خستہ پا کا کیا ٹھکانا ۔۔۔ جہاں تھک تھک گئے ہیں رواں تک
جبیں سائی کی حد بھی کوئی آخر ۔۔۔ مٹے جاتے ہیں سجدے کے نشاں تک
مرے دورانِ سر کی کیا شکایت ۔۔۔ پڑا چکرا رہا ہے آسماں تک
تماشائے فریبِ ہر نظر ہے ۔۔۔ نگاہیں کام کرتی ہیں جہاں تک
ابھی باقی ہے رسمِ کوچہ گردی ۔۔۔ رسائی کیا ہوا اس کے آستاں تک
تمھیں تو جان لیکر بھی نہیں چین ۔۔۔ وفا تم سے کرے کوئی کہاں تک
پھر آگے ٹھوکریں ہی ٹھوکریں ہیں ۔۔۔ اگر پہنچے بھی سنگِ آستاں تک
لحد میں تو ملے یارب کچھ آرام ۔۔۔ کہ ہم مر مر کے پہنچے ہیں یہاں تک

نجف کے شوق میں خود رفتہ ہے نازؔ
کوئی چھوڑ آئے لے جا کر وہاں تک

ردیف (گ)

اچھا ہوا کہ لگ گئی دامان تر میں آگ
کب سے بھڑک رہی تھی ہمارے جگر میں آگ

رکھا جہاں قدم وہیں آتش کدہ بنا
بھڑکی تمہاری چال سے یہ رہ گذر میں آگ

آخر کو ضبط گریہ نے گھر پھونک ہی دیا
آہوں سے میری لگ گئی دیوار و در میں آگ

مجھ کو جلا رہا ہے شب ہجر چاندنی
پھیلی ہے چاندنی کے عوض میرے گھر میں آگ

بلبل کو آئی آتش گل کی ہوا نہ راس
ایسی لگی کہ لگ گئی سب بال و پر میں آگ

باتوں میں کون چھوڑ گیا پھلجھڑی سی آج
ہنس کر لگائی کس نے دل بے خبر میں آگ

آنکھوں میں میری اشک ہیں دل میں ہیں میرے داغ
تم ایک گھر میں پانی ہو تم ایک گھر میں آگ

پی پی کے آنسو دل کی لگی کو بجھائیں کیا

سلگی ہے سوز عشق سے یہ عمر بھر میں آگ

میں آبرو کو رد تا ہوں جلتے ہیں مدعی
میری نظر میں پانی ہے ان کی نظر میں آگ

دامن سے اپنے اشک مرے پونچھتے تو ہو
ڈر ہے بھڑک اٹھے نہ مری چشم تر میں آگ

آتے نہ شب کو تم تو تماشا بھی دیکھتے
لگتی چراغ شام سے رخت سحر میں آگ

یارب بتوں میں کیوں نہیں سوز و گداز عشق
ہر سنگ میں نہاں ہے تو ہر شرر میں آگ

کیا پوچھتے ہو کیفیت دل کا حال ناز
ان کی نظر میں خاک ہے میری نظر میں آگ

ردیف (ل)

ساقی نسیم صبح ہے ساغر چمن کے پھول
غنچوں کی تاک جھانک ہے مستوں سے بن کے پھول

کیا دیکھیں ہم بہار میں تازہ چمن کے پھول
سینے میں ہیں کھلے ہوئے داغ کہن کے پھول

پردیس میں کھٹکتے ہیں سب بات بات پر

چبھتے ہیں شکل خار غریب الوطن کے پھول

کم کیوں بتان دہر ہوں حوران خلد سے

یہ اس چمن کے پھول ہیں وہ اس چمن کے پھول

لو بن کے بھیر اڑے گا انا الحق کا زمزمہ

رکھ دے کوئی قریب جو دار و رسن کے پھول

تارے جو توڑ لائی ہے آہ رسا مری

بکھرے ہوئے ہیں خاک پہ چرخ کہن کے پھول

کس کے شہید عشق کی یارب یہ قبر ہے

روئیدہ ہیں جو لالۂ خونیں کفن کے پھول

باندھی ہے کس کی گرمی فریاد نے ہوا

مرجھا گئے جو شمع سر انجمن کے پھول

پھونکا ہوائے نالۂ بلبل نے کیا فسوں

یہ داغ سوز ہو گئے شمع لگن کے پھول

خلقت ازل سے ان کی جو نیرنگ ساز ہے

یہ حسن والے دل کے ہیں پتھر بدن کے پھول

پھولا ہوا خوشی سے ہے کیوں اتنا محتسب

شاید کہیں ہوئے کسی توبہ شکن کے بھول

سر ہیں ہوا نہ بھر کہ کوئی دم کی ہے نمود
مثل حباب بحر جہاں میں نہ تن کے بھول

شکوہ عبث ہے ناز کسی کے شباب کا
کلیاں بھی رنگ لاتی ہیں بلبل سے بن کے بھول

ردیف (م)

قید وفا میں جان ہے بند کفن میں ہم
مر کر بھی ہیں کشا کش رنج و محن میں ہم

اپنا تو بال بال خطا وار عشق ہے
الجھے ہوئے ہیں زلف شکن در شکن میں ہم

تو نے جو کی گریز تو خود چھیڑ لی چھری
تجھ سے بھی آج تیز ہے بانکپن میں ہم

بے صرفہ آہ و نالۂ ہجراں نہیں کوئی
ہیں رخنہ ساز گنبد چرخ کہن میں ہم

کل تک تو بات بات میں پایا کیے تمھیں
کیوں آج کھوئے جاتے ہیں ہر ہر سخن میں ہم

کیا ہوا اثر بہار کا جب تازگی نہ ہو
برگ خزاں رسیدہ ہیں گویا چمن میں ہم

آتے ہی ان کے جان بدن سے نکل گئی
جوں بوئے گل سما نہ سکے پیرہن میں ہم

سودائے عشق نے ہمیں بیگانہ کر دیا
دیوانہ بن کے رہتے ہیں اہل وطن میں ہم

شادی و غم کا فرق بس اتنی سی بات ہے
اس انجمن میں آپ ہیں اس انجمن میں ہم

پھیلا کے پاؤں کر دیے ٹکڑے تو اے جنوں
اب اور کیا نکالیں گے شاخیں کفن میں ہم

گزری ہے نازِ شیخ و برہمن سے دور دور
الجھے نہ ایک دم کو کبھی ما و من میں ہم

ردیف (ن)

پھر گئی جب گردشِ ابروئے قاتل آنکھ میں
آ گیا کٹ کٹ کے سینے سے مرا دل آنکھ میں

گریۂ پر جوش سے سب رازِ قسمت کھل گیا

نقطۂ خط مقدر بن گیا تل آنکھ میں

بے خودی گر کھولنے دے قیس کو چشم ہوس

ہو بجائے مردمک لیلی کا محمل آنکھ میں

آنکھ کے رستے سے اترے دل میں کیا وہ نازنیں

پردہ پردہ ہو جیسے ایک ایک منزل آنکھ میں

اضطراب عشق کی حالت دکھا دیتا تجھے

کاش پہلو کے عوض ہوتا مرا دل آنکھ میں

خون نا کردہ گناہوں کا نہ کر اے ضبط غم

ہو رہے ہیں طفل اشک آ آ کے بسمل آنکھ میں

کوئی اپنا بھی ہے بزم غیر میں بیٹھا ہوا

کچھ حیا بھی چاہیے شوخی کے شامل آنکھ میں

مہرباں جلوت میں خلوت کی ضرورت کچھ نہیں

دیکھ لو لکھا ہوا ہے مطلب دل آنکھ میں

پردۂ دشمن کبھی کب کرتے ہیں فاش اہل نظر

آسماں ہر آنکھ کے تل میں رہا تل آنکھ میں

پھر دل ناآشنا کا مجھ کو رونا پڑ گیا

بن چلے پھر اشک خوں دامان ساحل آنکھ میں

وصل کا وعدہ وفا ہوتا ہے کس انداز سے
وہ نگاہ ناز سے کہتے ہیں آ مل آنکھ میں

ذکر کلیم و برق طور چھپ کے نہ تو سنا کہ یوں
پردہ الٹ کے سامنے آج تو آہی جا، کہ یوں

بزم عدو چمن سہی، میں بھی سمجھ گیا کہ یوں
گل تو ہزار کھلتے ہیں یہ نہ مگر کھلا کہ یوں

عرض کی پردہ چاہیے غیروں کے روبرو تو کچھ
دیکھنا شوخی مجھ سے ہی منہ کو چھپا لیا کہ یوں

رنگ میں بھنگ مل گئی عیش میں طیش آ گیا
روٹھ کے ہو گئے الگ منہ سے نہ کچھ کہا کہ یوں

ہاں تمہیں مجھ سے کیا غرض، مجھ ہی کو واسطہ سہی
ناز نہ ہو ادا تو ہو، یوں ہوا مدعا کہ یوں

ایک وفا پرست ہے، ایک جفا شعار ہے
دل کا ہے مدعا کہ یہ، ان کا ہے ادعا کہ یوں

دیر بھی ہے حرم بھی ہے سجدہ کروں میں کس طرف
حکم بتوں کا ہے ادھر، فرض رہ خدا کہ یوں

میں نے کہا کہ اب تو آپ ظلم سے ہاتھ اٹھائیے

تیغ اٹھا کے ہاتھ سے بولا وہ بیوفا کہ یوں

پوچھا جو میں نے بھول کر حشر اٹھے گا کس طرح
پہلو سے اٹھ کے یک بیک مجکو بتا دیا کہ یوں

مرنا تھا تم پہ مر مٹے موت نہ آئی، آیا دل
ہم کو تو اپنے کام سے کام تھا یوں ہوا کہ یوں

پوچھا جو اہل کعبہ سے دیر میں کس طرح کٹی
شرم گناہ نے مرے سر کو جھکا دیا کہ یوں

غیر نے موت کی پسند میں نے تمہارے جور و ظلم
تم ہی پہ منصفی رہی ہوتی ہے یوں وفا کہ یوں

فرق تو اعتبار میں ناز ترے کہیں نہ تھا
ان سے بگڑ گئی ہے کیوں بات تو کچھ بتا کہ یوں

بہار حسن ہے پیتے ہیں مے وہ صحن گلشن میں
پڑے ہیں ہار پھولوں کے صراحی دار گردن میں

خزاں ہے باغباں کھٹکا نہ کر چوری کا گلشن میں
جھٹک کر دیکھ لے بے وید کیا رکھا ہے دامن میں

کرید اچھی نہیں قاتل کہیں یہ وہ نہ کھل جائے
بجز خون تمنا کچھ نہیں زخموں کے دامن میں

مجھے دوڑا کے مارا چارہ گر کے پاؤں ہی ٹوٹیں
کھٹکتے ہیں جو میرے دل میں وہ کانٹے کہاں بن میں

رہائی دام گیسو سے نہ پائی ہم نے مر کر بھی
قیامت تک رہا طوق اسیری اپنی گردن میں

رکا ہے جب سے دو دسوز دل بادل نہیں بنتے
ہوئے جس دن سے آنسو خشک خاک اڑتی ہے ساون میں

مرے مرنے سے ان کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی شاید
ہوائے سرد کے جھونکے چلے آتے ہیں مدفن میں

اگر یہ حور کا طالب تو وہ ہے بت کا شیدائی
نہیں اللہ والا ایک بھی شیخ و برہمن میں

شب وعدہ مری قسمت کا بل نکلا تو یوں نکلا
کھلا کچھ ان کے گیسو میں چھپا کچھ ان کی چتون میں

نظر ملتے ہی پردے چھٹ گئے غفلت کے آنکھوں پر
جسے بے پردہ سمجھے تھے وہی پنہاں ہے چلمن میں

کوئی فتنہ کہیں اٹھے یہیں مٹنے کو آتا ہے
خدا معلوم کیا موتی جڑے ہیں میرے مدفن میں

مسی آلودہ ہونٹوں پر نہیں یہ عکس دانتوں کا

لیے بیٹھے ہو تم شبنم کے قطرے برگ سوسن میں

انہیں دیکھا کہ لڑیاں بہہ گئیں آنکھوں سے آنسو کی

نئے ہر روز باندھے تار ہم نے ان کی چلمن میں

خدا جانے ہوئی کیا شکل ہجر یار میں میری

نہ رکھا آئنہ تک دوستوں نے میرے مدفن میں

تجھے کیا فکر بلبل آتش گل پھونک دے گلشن

سوائے خار و خس رکھا ہے کیا تیرے نشیمن میں

ذرا آئینہ لے کر منہ تو دیکھو کیا ہوئی صورت

خدا کے واسطے اب تو نہ جانا بزم دشمن میں

وہ اپنے رنگ میں ہوں گے انہیں کیا ناز سے مطلب

شراب حسن پی رکھی ہے متوالے ہیں جوبن میں

میں بہر رنگ اپنی ہی ضد ہوں — آپ محسود آپ حاسد ہوں

آپ مختار آپ ہوں مجبور — آپ مسجود آپ ساجد ہوں

آپ ہوں نوجوان برہمن دیر — آپ صد سالہ شیخ مسجد ہوں

آپ طالب ہوں آپ ہی مطلوب — آپ رہبر ہوں آپ قاصد ہوں

آپ موسیٰ ہوں آپ جلوۂ طور — آپ مشہود آپ شاہد ہوں

آپ ہوں عبد آپ ہوں مولیٰ — آپ معبود آپ عابد ہوں

خود پرست و خدا پرست ہوں میں — آپ مومن ہوں آپ ملحد ہوں

مشتبہ ہے مری حقیقتِ حال — گاہ ہوں رند گاہ زاہد ہوں

مددائے ساکنانِ ملکِ عدم — اک مسافر ہوں تازہ وارد ہوں

کون قیمت لگائے گا میری — میں زمانے میں جنس کاسد ہوں

کیوں نہ من جاؤں روٹھ کر سو بار — دل کی ہٹ ہوں نہ آپ کی ضد ہوں

رمضاں کیا کہ عید کو بھی نہ پی — فاقہ مستوں کا میں بھی مرشد ہوں

کیا حساب و کتاب کا کھٹکا — حرفِ باطل ہوں مدِ زائد ہوں

جی رہا ہوں کسی پہ مر کر نازؔ
اک نئی زندگی کا موجد ہوں

تجھے دکھا کے وہ دشمن کو پیار کرتے ہیں
یہ کیا غضب مرے پروردگار کرتے ہیں

پھر ان کے وعدے پہ ہم اعتبار کرتے ہیں
پھر انتظارِ شبِ انتظار کرتے ہیں

کیا ہے وعدہ تو ایفائے وعدہ بھی ہے ضرور
قرار دے کے کہیں بیقرار کرتے ہیں

ہدف بنا کے دلِ بے نیاز کو میرے
نگاہِ ناز کا امیدوار کرتے ہیں

کمند ناز لگاتے ہیں پھیر کر چتون
نئی طرح سے وہ دل کا شکار کرتے ہیں

یہی ہیں روز کے جھگڑے تو جا خدا حافظ
تجھے بھی صبر دل بیقرار کرتے ہیں

مری طلب پہ وہ دیتے ہیں غیر کو بوسے
اسے نہال مجھے شرمسار کرتے ہیں

غضب ہے نزع میں آکر وہ میری بالیں پر
سنگھا کے زلف کی بو ہوشیار کرتے ہیں

نگاہیں لڑ گئیں پھر چشم مست ساقی سے
پھر آج عزم شکست خمار کرتے ہیں

ضرور آئیں گے کیوں بیقرار ہے اے دل
ابھی بنا ڈیلیں ہیں وہ سنگھار کرتے ہیں

پلا دی شیخ کو کوثر کی قسمیں دے دے کر
کمال کیا یہ ترے بادہ خوار کرتے ہیں

کشاکش حرم و دیر کے ہیں کیا معنی
طلب تجھے وہ کہاں بار بار کرتے ہیں

دم آخیر بھی ملتی نہیں ہے لذت دید

نگاہ پھیر کے وہ مجھ پہ وار کرتے ہیں

ہر ایک حال میں خوش ہیں یہاں خدا شاہد
وہ اور ہیں جو غمِ روزگار کرتے ہیں

برابری کا انہیں غیر کی ہے شک شاید
وہ بوسے دے کے مجھے کیوں شمار کرتے ہیں

ہزار بار جسے آزما کے دیکھ لیا
اسی کی بات پہ پھر اعتبار کرتے ہیں

ستم ہے ایک بھی سنتا نہیں خدا اپنی
دعائیں سیکڑوں، نالے ہزار کرتے ہیں

شبِ وصال وہ کہتے ہیں دیکھ دور الگ
ہم آج اور ترا اعتبار کرتے ہیں

یہ نازِ جذبِ محبت کا ہے اثر شاید
وہ آج ذکر مرا بار بار کرتے ہیں

جب کہا میں نے کہ دشمن کی خطا کچھ بھی نہیں
کس ڈھٹائی سے ستمگر نے کہا، کچھ بھی نہیں

نگہِ نازِ ستمگر یہ رکاوٹ کیسی
دل میں اک دردِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

میری قسمت میں نہ دیدار نہ وصل جاناں
ہائے اے کاتب تقدیر لکھا کچھ بھی نہیں

مدعائے دل ناکام بر آئے کیونکر
تجھ میں تاثیر تو اے آہ رسا کچھ بھی نہیں

دل ہی پہلو میں نہ ہو جب تو نشانہ کس کا
ناوک نازِ ستمگر کی خطا کچھ بھی نہیں

حضرت خضر نہ ہوں آب لقا پہ نازاں
یہ فنا کچھ بھی نہیں ہے یہ لقا کچھ بھی نہیں

گوشۂ تار لحد ایک نظر سب کو نہ دیکھ
تجھ کو تمیز شہنشاہ و گدا کچھ بھی نہیں

مجھ سے بگڑے وہ یہاں تک کہ منائے نہ بنے
اور سچ پوچھو تو جھگڑے کی بنا کچھ بھی نہیں

قیس کے ساتھ ہوا نجد کا جنگل سنسان
اب نہ محمل ہے نہ آوازِ درا کچھ بھی نہیں

شافع حشر کی امت ہیں تو مولیٰ کے غلام
ہم کو اے ناز غم روز جزا کچھ بھی نہیں

ہماری آہ سے بھڑکا رہا وہ شعلۂ و برسوں
ہوا اکھڑی رہی تیری دل پر آرزو برسوں

رلایا ہے جفا گر نے سر بزم عدو برسوں
بہی ہے اشک بن بن کر ہماری آبرو برسوں

ہماری بیگناہی رنگ لائے گی بس کشتن
لہو کے آنسوؤں سے سٹے گا سفاک تو برسوں

دل ناداں اسے کیوں چھیڑ کر ناراض کرتا ہے
بگڑ کر پھر منا کرتا نہیں وہ تند خو برسوں

خدا کے واسطے تم تو نہ آؤ میرے پہلو میں
تمھیں بے چین رکھے گی مرے پھولوں کی بو برسوں

نہیں میں ہاں کبھی کر لی کبھی ہاں میں نہیں کر لی
مجھے ٹالا ہے تو نے ہاں نہیں میں حیلہ جو برسوں

شراب شوق کا ساقی بنا دے ایسا متوالا
رہے آنکھوں میں میری جلوۂ جام و سبو برسوں

کسی سے اجتناب اتنا کسی سے اتحاد ایسا
کہیں ٹکتا نہیں دم بھر کہیں رہتا ہے تو برسوں

خدا کے گھر میں بھی پجتے رہے ہیں مدتوں پتھر

مچی ہے ان بتوں کے دم سے یہاں بھی ہاؤ ہو برسوں

چھپاتا کیوں ہے اپنے چاند کو چرخ کہن مجھ سے
رہا ہے میرے پہلو میں بھی اک خورشید رو برسوں

غم الفت نے تیرے دی ہیں مجھ کو نعمتیں کیا کیا
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

حسینوں کی پرستش کی ہے لیکن پاک نیت سے
کیا ہے سجدہ بتخانے کو ہم نے باوضو برسوں

نہ نکلی نازؔ کوئی آرزو باب اجابت سے
دعاؤں نے مری کی ہے اثر کی جستجو برسوں

چلے آتے ہیں بادل جھومتے توبہ کے لالے ہیں
لٹا مے نے بہار آتے ہی پیمیرز نے نکالے ہیں

کیا ضبط وفا نے تشنۂ فریاد اے ہمدم
کہ میرے حلق میں کانٹے پڑے ہیں دل میں چھالے ہیں

رموز عالم فطرت کی ہے بس کائنات اتنی
زمین و آسماں چودہ ورق کے دو رسالے ہیں

ہوائے شوق میں ان کی بجھا دل جب تو یہ سمجھے
وہی اندھیر بھی کرتے ہیں جو دل کے اجالے ہیں

کبھی آنکھیں چرائی ہیں کبھی دل کو چرایا ہے
تری شوخی انوکھی ہے ترے غمزے نرالے ہیں

نہ ٹپکے کیوں شراب وصل انگوروں سے زخموں کے
یہ نخل تاک ہم نے نشتۂ الفت میں پالے ہیں

تعجب کیا جو تم نے وعدہ وصل عدو ٹالا
قضا کے اپنی ہم نے مدتوں پیغام ٹالے ہیں

خدا معلوم کس کی تیغ کا پانی چرایا ہے
کہ بعد مرگ بھی میرے جگر کے زخم آلے ہیں

نہ پوچھا ناز سے میں نے کہ ہے طوق محبت کیا
گلے میں آکے جب میرے کسی نے ہاتھ ڈالے ہیں

کیا ملا جز داغ حسرت عشق کے دربار میں
کیا یہی بیلا بٹا کرتا ہے اس سرکار میں

پھل جوانی نے لگا کر نخل قد یار میں
گل کھلائے ہیں نئے یہ حسن کے گلزار میں

پاس اخفائے محبت کہ نہ دے ٹھنڈا کہیں
پی رہا ہوں کب سے آنسو حسرت دیدار میں

راز ہستی و عدم کے فاش ہونے کا ہے ڈر

ورنہ کچھ کہتا تری رفتار میں گفتار میں

پھوڑنا سر کا ہی آٹھہرا تو پھر سیکڑوں

کیا کوئی موتی جڑے ہیں آستانِ یار میں

سُبحہ و زنار کے زاہد سے کیا عقدے کھلیں

یہ تو خود الجھے ہوئے ہیں اپنی ہی دستار میں

راہ چلتے میری ہاں میں ہاں ملا دی آپ نے

بندہ پرور یہ بھی کچھ اقرار ہے اقرار میں

آتے ہی مقتل میں مجھ کو آئنہ دکھلا دیا

کس صفائی سے مرے دو کر دیے اک وار میں

باغ میں کی اشکِ بلبل کی جو داعنط تم نے ہجو

خوں اتر آیا ہے چشمِ نرگسِ بیمار میں

جب ہوئی پاؤں کو لغزش سر میں چکر آ گیا

کیا ہوائے مے بھری ہے گنبدِ دوار میں

سامنے آتے ہی میرے گالیاں دینے لگے

کھولتے ہو سنکھیا کیوں شربتِ دیدار میں

ناتوانی ہو گئی افسوس سدِّ راہِ شوق

یہ نئی دیوار اٹھی سایۂ دیوار میں

تخت پریوں کا اتارے گی شب وعدہ مری
چھت سے آنکھیں لگ رہی ہیں انتظار یار میں

لو چلو مل جاؤ بھی، قصہ چکے، جھگڑا مٹے
کیا دھرا ہے روز کی ضد، روز کی تکرار میں

سو ملاپ اے ناز ان کی اک لڑائی پہ نثار
آج وہ جامے سے باہر ہو گئے تکرار میں

اچھے ہیں دیکھنے میں حسیں باوفا نہیں
ان پھولوں میں ہے رنگ مگر بو ذرا نہیں

ہونا تھا مجھ کو اس کے کرم کا امیدوار
یہ بھی ہے اک قصور کہ کوئی خطا نہیں

اچھا نہ ملیے خیر کوئی مر نہ جائے گا
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

ہر ناز میں ترے ستم و جور ہیں نہاں
وہ کون سی ادا ہے کہ جس میں جفا نہیں

پھر مسکرائیے تو ذرا لیکے میرا نام
اک بار پھر تو کہیے کہ ہم آشنا نہیں

عیسیٰ سے بھی علاج محبت نہ ہو سکا

یہ درد وہ ہے جس کی جہاں میں دوا نہیں

ساقی ہے ایک حور، جوانی ہے جوش پر
واعظ بتا دے آج بھی جائز ہے یا نہیں

ہم نے بنا دیا انہیں یہ بن گئے خدا
اپنا ہے یہ قصور بتوں کی خطا نہیں

بوسہ دیا ہے خواب میں کرتے ہو ناز کیوں
یہ نیند کا کرم ہے تمھاری عطا نہیں

عارض کا تیرے پرتو جب سے پڑا چمن میں
پھولے نہیں سماتے گل اپنے پیرہن میں

کھلنا ہے پھول بن کر غنچہ ترے دہن میں
شاخیں نکالتی ہے بلبل مرے سخن میں

پروانے لو لگا کر تجھ سے جلیں کہاں تک
اے شمع آنسوؤں سے دریا بہا لگن میں

غربت میں کیوں نہ مٹی میری عزیز ہوتی
میں داغ تھا وطن کا جب تک کہ تھا وطن میں

زنداں سے ماہ کنعاں بن کر ابھر نہ سکتا
یوسف اگر نہ گرتا تیری چہ ذقن میں

ساقی بقدر لذت مجھ کو بھی کیفیت ہو
ہوں تازہ واردانِ غمخانۂ کہن میں

تیری شبیہ سے کر اترا رہے ہیں ورنہ
یہ رنگ و بو کہاں تھی نسرین و نسترن میں

داغِ جگر بھی جھوٹا جنسِ وفا بھی جھوٹی
سب جھوٹ تھا نہ کھلتی قسمت اگر چلن میں

لیلیٰ یہ تیرا ناقہ کس سے بھڑک رہا ہے
پرچھائیں تک نہیں ہے قیس حزیں کی بن میں

جھرمٹ ہیں دشمنوں کے کس دل سے تم کو دیکھیں
کیا لطف چاندنی کا جب چاند ہو گہن میں

سیدھی سی بات بھی تو اے شانہ ہیں نہ سمجھا
قسمت کے پھیری بل ہیں اس زلف پر شکن میں

یہ دیکھتے ہیں پہلے آتی ہے موت کس کی
آئینہ ہاتھ میں ہے بیٹھے ہیں انجمن میں

بالوں کا تم نے جوڑا باندھا ہے کس خطا پر
دم بند کر رہے ہو کیوں مشک کا ختن میں

سوکھی سی رہ گئی ہے اک شاخ میرے دل کی

کم ہو گیا ہے اتنا نخلِ امید گھن میں

مے پی کے پارسائی نازؔ آفریں ہے تم کو

اچھے ہوا پنی دھن کے پورے ہو اپنے فن میں

تم تمنا ہو تمنائی نہیں — میں تماشا ہوں تماشائی نہیں

یوں گئے جیسے شناسائی نہیں — نوجوانی جا کے پھر آئی نہیں

دیر میں تم بت ہو کعبے میں خدا — پھر نہ کہنا یہ کہ ہرجائی نہیں

آگئی شوخی ہوئی رخصت جو شرم — وصل میں بھی لطف تنہائی نہیں

کیوں ملے وحشت میں سائے کو پتہ — کچھ مرا ہمزاد سودائی نہیں

کیا لگے تم کو گلستاں کی نظر — دیدۂ نرگس میں بینائی نہیں

عشق کی افتاد اللہ کی پناہ — تم نے یہ ٹھوکر کبھی کھائی نہیں

مصر کے بازار کی رونق بڑھی — حسن یوسف کی یہ رسوائی نہیں

مجھ تک آکر رک گیا ساقی کا جام — آج دورِ چرخ مینائی نہیں

کر دیا برہم جگا کر نیند سے — وہ اکڑتے ہیں یہ انگڑائی نہیں

مٹ چکا پہلے ہی قسمت کا لکھا — اب مجھے فکرِ جبیں سائی نہیں

بال تم نے کھول کر دکھلا دیے — کون کہتا ہے گھٹا چھائی نہیں

کہتے ہیں ہم سا نہیں دنیا میں نازؔ

خود نمائی ہے یہ خود رائی نہیں

دل مبتلائے گیسوئے خمدار ہو تو کیوں
دانستہ اس بلا میں گرفتار ہو تو کیوں

فرمائیے تو آپ حسیں کس لیے ہوئے
اچھی کہی کہ طالب دیدار ہو تو کیوں

آئینہ دیکھ لو تمھیں مل جائے گا جواب
کیا پوچھتے ہو میرے طلبگار ہو تو کیوں

اپنی نگاہ مست کی ان کو خبر نہیں
اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ سرشار ہو تو کیوں

ساقی لگا دے آج تو ہونٹوں سے خم کا خم
دو گھونٹ پی کے کوئی گنہگار ہو تو کیوں

جو ہاتھ ان کی زلف میں الجھا رہا سدا
وہ آج ہتھکڑی کا سزاوار ہو تو کیوں

جو لکھ دیا ہے تو نے وہ ہونا ضرور ہے
پھر بے لبوں کا نام گنہگار ہو تو کیوں

پوچھیں گے ناز کیا وہ دل داغدار کو
کھوٹا ہے مال کوئی خریدار ہو تو کیوں

وہ آج عاشق شیدا کا مان رکھتے ہیں

چھری پہ تیغ پہ خنجر پہ سان رکھتے ہیں

طلب میں حوروں کی زاہد کی چال تو دیکھو

یہ پیر ہو کے بھی دل کو جواں رکھتے ہیں

بھروسا کیوں نہ ہو اپنے سپاہیوں پہ انہیں

نگہ پہ قبضہ بھوؤں پہ کمان رکھتے ہیں

وفا کے قول کا کیا اعتبار ہو ہم کو

کہ آپ غیر کی جھوٹی زبان رکھتے ہیں

پس فنا بھی یہ گمناہیوں نے ساتھ دیا

کہ میرے مردے کو بھی بے نشان رکھتے ہیں

یہ بزم ناز نہیں حشر کی عدالت ہے

یہاں سنبھل کے قدم مہربان رکھتے ہیں

نظر میں چبھتی ہے پائے جنوں کی مجبوری

ہمارے چھالے بھی کانٹوں کی شان رکھتے ہیں

سے انگریزی کا لفظ جو اردو غزل کے قافیے میں نظم ہوا۔ ذوق سلیم اس سے کسی قسم کی گرانی محسوس نہیں کرتا۔

لیا ہے کنج لحد ہم نے جان دے کر مول
کرایہ کا نہیں گھر کا مکان رکھتے ہیں

تمہارے عشق میں موتی محل بنیں آنکھیں
غریب کیوں ہیں جواہر کی کان رکھتے ہیں

جھکاؤ دل کا جو دیکھا تو کھنچ گئے ظالم
خدنگ ناز بھی کیا آن بان رکھتے ہیں

بلا سبب نہیں نازاں ان کی یہ حنا بندی
وہ اپنی مٹھی میں عاشق کی جان رکھتے ہیں

ہزار بار نہیں سو ہزار بار نہیں
تمہارے وعدے کا بندے کو اعتبار نہیں

نہ بھولو حسن پر اس کا کچھ اعتبار نہیں
کسی کا باغ جوانی سدا بہار نہیں

ہر ایک شمع پہ جل جل کے مرنا کیا معنی
ہوس پرست ہے پروانہ جاں نثار نہیں

اٹک اٹک کے نہ کیوں مشکلوں سے دم نکلے
گلا بھی خشک ہے خنجر بھی آبدار نہیں

جہاں تم آئے ہو اب آج فاتحہ پڑھنے

یہ حسرتوں کا مری ڈھیر ہے مزار نہیں

مجھے تو ہجر بھی یکساں ہے وصل بھی یکساں

مگر میں کیا کروں اس دل پہ اختیار نہیں

سوال وصل پہ اب ہاں کرا کے چھوڑیں گے

ہمیں بھی ضد ہے کیے جاؤ تم ہزار "نہیں"

تمہارے جاتے ہی گلشن میں کیا خزاں آئی

وہ رنگ و بو نہیں پھولوں میں وہ بہار نہیں

جو دل بھی دے تمہیں کوئی تو کس امید پہ دے

کسی کے دوست نہیں تم کسی کے یار نہیں

جواب ملتا ہے اچھا مری دعاؤں کا

وہ کہتے ہیں کہ خدا کو بھی تو پکار نہیں

یہ کیا کہا کہ جہنم میں جائے تیری وفا

گناہگار محبت گناہگار نہیں

گلے میں ڈال دے پھانسی اجل تو احساں ہو

کہ مجھ میں زلفوں کے جھٹکوں کی اب سہار نہیں

کرو نہ نیر نظر رائیگاں رقیبوں پر

تمھاری بزم میں کیا یہ گناہگار نہیں

تمام حسن کے ساتھی بدل گئے آنکھیں
غم شباب میں زلفیں بھی سوگوار نہیں

پس فنا مجھے مٹی تو آ کے دے جاؤ
مری طرف سے اگر دل میں کچھ غبار نہیں

گلے کا ہار اتاریں وہ میرے سوگ میں کیا
چڑھائیں پھول کہاں وہ کہیں مزار نہیں

ندیم کہتے ہیں کچھ اور نامہ بر کچھ اور
یہ دونوں جھوٹے ہیں دونوں کا اعتبار نہیں

عدو کو دی ہے نشانی میں آپ نے تصویر
سوائے داغ یہاں کچھ بھی یادگار نہیں

سوائے ناز چھوئے کون ان کے ابرو کو
عدو کے ہاتھ کے قابل یہ ذوالفقار نہیں

ستم کیا کیا نئے مجھ پر ستم ایجاد کرتے ہیں
کبھی برباد کرتے ہیں کبھی ناشاد کرتے ہیں

حسینوں کی جگہ دل میں ہمارے ہوتی جاتی ہے
بتوں کو پھر خدا کے گھر میں ہم آباد کرتے ہیں

ترے تیروں نے منہ کیلا ہے جب سے اپنے بسمل کا

دہان زخم سے ہم شکوۂ بیداد کرتے ہیں

بہار آنے کو ہے کھڑکی قفس کی کھول دے کوئی

ہم اپنی بے پری سے منت صیاد کرتے ہیں

خموشی کا مری مطلب فراموشی نہیں ہرگز

زباں جب سے ہوئی ہے بند دل میں یاد کرتے ہیں

کھلیں زلفیں تو پر باندھے کھلے گل تو گلا گھونٹا

یہی قیدیں رہیں ان کی تو کب آزاد کرتے ہیں

مزے لے لے کے مقتل میں ستم گر کر دیا تم کو

ہمیں اب جان دے دے کر تمہیں جلاد کرتے ہیں

لب شیریں کی تیرے چاٹ جینا تلخ کر دے گی

مگر ہم پیروی ہمت فرہاد کرتے ہیں

اثر الٹا ہوا ان پر یہ اپنی خاکساری کا

پس مردن بھی وہ مٹی مری برباد کرتے ہیں

یہی دے دے کے دم دل کو شب وعدہ سنبھالا ہے

اب آئے وہ کوئی دم میں تجھے اب شاد کرتے ہیں

نہیں ہے ناز جن کو کچھ بھی آل پاک سے الفت

وہ کافر ہیں رسول اللہ پہ بیداد کرتے ہیں

پھوٹ جائیں گی دم پرسش بیداد آنکھیں
دیکھ سکتی نہیں رسوائی جلاد آنکھیں

گھات میں وزدحنا سے بھی سوا تیز رہیں
دل اڑا لے گئیں میرا وہ پری زاد آنکھیں

کر دیا عشق نے پہلے ہی ہمیں تو اندھا
تو دکھاتا ہے کسے او ستم ایجاد آنکھیں

خواب میں تجھ کو سنتے ہو خدا خیر کرے
کھل نہ جائیں کہیں بن کر لب فریاد آنکھیں

جستجو میں تری جاتی رہیں چلتے پھرتے
صورت نقش قدم ہو گئیں برباد آنکھیں

رات دن پھرتی ہے نظروں میں تمہاری صورت
دیدے پھوٹیں جو نہ کرتی ہوں تمہیں یاد آنکھیں

بزم دشمن میں تمہیں دیکھ کے دل روتا ہے
کون خوش ہوتا ہے کرتی ہیں کسے شاد آنکھیں

آنسو آنسو ہے مرا جوش وفا کی تصویر
پیش کرتی ہیں غم عشق کی روداد آنکھیں

مجھ سے لڑتی ہیں کبھی غیر سے ملتی ہیں کبھی

پردۂ شرم اٹھا کر ہوئیں آزاد آنکھیں

جلوۂ حسرت جاناں کا نکلنا معلوم

شوق سے آئے نکالے مری جلاد آنکھیں

بس گئیں ناز نگاہوں میں ہزاروں شکلیں

ہو گئیں میری نظر باز سے آباد آنکھیں

ردیف (و)

ہوا خیز یِ وحشت سے کیا ہے آشنا مجھ کو

مری شوریدہ بختی کیا خبر سمجھی ہے کیا مجھ کو

گھٹے گا شوق رہنے دو گرفتار بلا مجھ کو

بڑھے گی عمر کیوں دیتے ہو مرنے کی دعا مجھ کو

مری گم گشتگی سے بے خبر ہیں قافلے والے

سمجھ رکھا ہے کیا پابند آواز درا مجھ کو

وفا بھی کھول کر جی کھر نہیں سکتا کروں کیونکر

ترے جور مسلسل نے مقید کر دیا مجھ کو

گرانبار محبت ہوں مدد اے زورق ہستی

ڈبونے کو چلا آتا ہے طوفان فنا مجھ کو

مری آنکھوں میں پھرتی ہے دلِ افسردہ کی حسرت
نظر آتی ہے پرچھائیں سی اپنی جابجا مجھ کو

کھلی ہے ان کے اندازِ وفا کی آج بے ربطی
نظر آتا ہے ہر ٹانکا جراحت سے جدا مجھ کو

مری ہر آرزو پر نقش ہے تصویرِ ناکامی
فریبِ مدعا ہے رنگ روئے آشنا مجھ کو

خودی نے پردہ در ہو کر حجابِ وضع توڑا ہے
خدائی نے بتوں کی کر دیا ہے خود نما مجھ کو

بھرم ضبطِ وفا کا ان کے یوں کھولا دمِ مردن
نگاہِ واپسیں آخر رہا تجھ سے گلا مجھ کو

فلک ٹوٹا بھی نالوں سے تو میری جان پر ٹوٹا
اجل آئی تو بن کر بازگشتِ مدعا مجھ کو

نزاعِ امتیاز اچھا نہیں واعظ سے یہ کہہ دو
تجھے مسجد مبارک تیری میرا میکدا مجھ کو

کوئی دم میں الگ بن جائے گا اب نازؔ کا کعبہ
ملا ہے میکدے میں خشتِ خم کا آسرا مجھ کو

بھر دے ساقی مری تقدیر کے پیمانے کو
عمر بھر دوں گا دعائیں ترے میخانے کو

بیڑیاں روک سکیں گی ترے دیوانے کو
رک گئے پاؤں تو دامن ہے نکل جانے کو

وسعت اللہ جو دے عمر کے پیمانے کو
حشر تک چھوڑوں نہ ساقی ترے میخانے کو

سر جھکا آکے کسی روز ادھر بھی زاہد
خاص نسبت ہے ترے کعبے سے بتخانے کو

مستعد مرنے پہ ہیں، وہ ہیں وفا پر تیار
کوئی جانے کو ہے اب اور کوئی آنے کو

آنچ معشوق پہ آئے یہ نہیں شرط وفا
شمع سے پہلے ہی جل مرنا تھا پروانے کو

محفل ناز میں مجنوں کی اڑا کر پھبتی
اور دیوانہ بنا دیتے ہیں دیوانے کو

کیوں گدایان توکل ہوں ہراساں منعم
جس نے پیدا کیا دے گا وہی خود کھانے کو

فرق کچھ کعبہ بت خانہ میں اے شیخ نہیں

نام بدلا ہے کسی نے ترے بہکانے کو

شوق دیدار جو بڑھتا ہے دم بادہ کشی
ان کی آنکھوں سے ملا لیتا ہوں پیمانے کو

یہ اشارہ ہے کہ تنہائی میں کچھ باتیں ہوں
میں سمجھتا ہوں ترے بزم میں شرمانے کو

شیشۂ دل کو مئے شوق سے لبریز نہ کر
یہ پری لے کے نہ اڑ جائے پری خانے کو

شیخ توبہ کرو توبہ یہ شراب اور حرام
کوری باتیں ہیں یہ سب ناز کے بہکانے کو

میری آہوں سے کیوں بگڑتے ہو — تم تو چلتی ہوا سے لڑتے ہو

ایک بوسے پہ آج لڑتے ہو — اتنی سی بات پر جھگڑتے ہو

ہاتھ پاؤں نکالو پھر لڑنا — چھوٹی سی عمر میں اکڑتے ہو

چوٹی گندھوا رہے ہو غیروں سے — اپنے پیچھے تم آپ پڑتے ہو

کہیں پگڑی اتر نہ جائے شیخ — بادہ خواروں سے مفت اڑتے ہو

آئنہ ہوں کہ دیکھ کر مجھ کو — بنتے ہو تنتے ہو بگڑتے ہو

خط تقدیر مٹ نہ جائے کہیں — ماتھے سے ماتھا کیوں رگڑتے ہو

نوجوانی ہو میری شاید تم — پھر نہیں ملتے جب بچھڑتے ہو

کیا نکالی ہے تم نے نوک پلک آنکھوں میں چبھ کے دل میں گڑتے ہو
کوئی نخل کہن تو آپ نہیں جم بھی جاؤ اگر اکھڑتے ہو

نشے میں ناز ہے تلاش شباب
چور بھاگا ہوا پکڑتے ہو

یہ مانا تم بڑے ہرجائی پورے بے مروت ہو
مگر وہ کیا کرے جس کو تمھاری ہی محبت ہو

تم اچھے ہو تمھارے ملنے والے بھی بہت اچھے
برا ہے وہ تمھارے ہجر میں جس کی بری گت ہو

نہ دے ساغر نظر بھر کر ہی ہم کو دیکھ لے ساقی
تصدق اپنی آنکھوں کا ادھر بھی کچھ عنایت ہو

مرا اک گیسوؤں والا مرے گھر آج آئے گا
شب غم تو کہاں سے آگئی چل دور چمپت ہو

ادا میں ناز میں غمزے میں شوخی میں شرارت میں
غضب ہو قہر ہو فتنہ ہو آفت ہو قیامت ہو

مری شام مصیبت کا مزہ بھی یاد کر لینا
کسی دشمن کے گھر مہماں اگر اے صبح فرقت ہو

پڑھا کرتا ہوں قرآں تیرے عارض کے تصور میں

خیال آئے تمہارے ابرو کا جب سجدے کی آیت ہو

وہی ہے دل کہ جس میں درد ہو اپنے پرائے کا

وہی ہے آنکھ جس میں کچھ حیا ہو کچھ مروت ہو

شب وصل ان کی چوٹی کھل گئی تو بولے جھنجھلا کر

چلو، لپٹے بنو، اٹھو، مرے پہلو سے رخصت ہو

تمہیں ہو جان جاں میرے تمہیں ہو آرزو دل کی

تمہیں ارماں کے ارماں ہو تمہیں حسرت کی حسرت ہو

مبارک ہو تمہیں اے ناز کعبے کا سفر لیکن

کسی بت سے نہ رستے میں کہیں صاحب سلامت ہو

اشک غم کی اگر روانی ہو — ابھی دم بھر میں خون پانی ہو

ایک ٹھوکر کہ مہر ہو جائے — کوئی تو قتل کی نشانی ہو

بعد مردن بھی زخم دل ہیں ہرے — اب ہمارا کفن بھی دھانی ہو

منہ پہ میرے لہو کے چھینٹے دو — میری قسمت اگر جگانی ہو

درد درماں طلب ہے یا اللہ — زور کچھ اور ناتوانی ہو

نقش اول تھے حضرت یوسف — تم زمانے میں نقش ثانی ہو

وہ جو سو جائیں آکے پہلو میں — قصۂ غم مرا کہانی ہو

عمر کٹتی ہے اپنی مر مر کر — موت آئے تو زندگانی ہو

تیری زلفوں میں وہ پھنسائے دل — بے خطا جس کو مار کھانی ہو

میں خلاصہ ہوں ضعف پیری کا — اور تم حاصل جوانی ہو

ناز سے کبھی تو پوچھے ساقی
زعفرانی کہ ارغوانی ہو

جنوں میرا مجنوں کا نقشا نہ ہو — تری زلف تصویر لیلا نہ ہو

خبر قتل کی میرے سچی رہے — اگر ہاتھ قاتل کا جھوٹا نہ ہو

گلے سے لپٹتا ہے خنجر ترا — مرے خون ہی کا یہ پیاسا نہ ہو

مجھے جان لو خوب پہچان لو — کبھی غیر کا تجھ پہ دھوکا نہ ہو

نہ اڑ اس قدر بھی خدا کے لیے — نگاہوں میں دنیا کی ہلکا نہ ہو

کہاں میکدہ اور زاہد کہاں — ذرا اٹھ کے پوچھو تو پیاسا نہ ہو

وفا تو کرے دل کسی سے کبھی — تمھارا ہی ہو جائے میرا نہ ہو

کہا ہے جو ہم نے نباہیں گے ہم — تمھیں قول کا پاس ہو یا نہ ہو

شب وعدہ کیوں نکلی جاتی ہے جان — ذرا دم تو لے کوئی آتا نہ ہو

نہ یوں جھٹکے دے دے کے سلجھاؤ بال — مرا دل کہیں ان میں الجھا نہ ہو

شہید وفا ہو تو مرتے ہو کیوں
کہیں ناز حوروں میں جھگڑا نہ ہو

(ردیف ہ)

پری سے تم بنو گے رشکِ حور آہستہ آہستہ
شباب آئے گا لے کر منہ پہ نور آہستہ آہستہ

مرے ہاتھوں کی گستاخی کا ملتا ہے جواب اچھا
وہ ہٹتے جاتے ہیں ہنس ہنس کے دور آہستہ آہستہ

ہوئی رخصت جوانی نشۂ ہستی اترتا ہے
خمار آتا ہے جاتا ہے سرور آہستہ آہستہ

کہا میں نے کبھی پورا بھی ہوگا وصل کا وعدہ
تو شرما کر کہا ہاں ہاں ضرور آہستہ آہستہ

ابھی جوشِ جوانی ہے ذرا مشکل سے سمجھیں گے
نکل جائے گا سر سے یہ غرور آہستہ آہستہ

غضب کی آگ تیرے دم میں یارب پھونک دیتی ہے
تری رحمت کا ہوتا ہے ظہور آہستہ آہستہ

ذرا سی دل لگی میں عاشقوں سے رُوٹھے جاتے ہو
ابھی بچپن ہے آئے گا شعور آہستہ آہستہ

وہ موسیٰ تھے کہ جن کی آنکھ اک جلوے نے جھپکا دی
یہاں ہے ناز آئے شمعِ طور آہستہ آہستہ

جوانی خود اٹھا دے گی نقاب آہستہ آہستہ

وہ ہو جائیں گے اک دن بے حجاب آہستہ آہستہ

ہوئی چشم خماری بے حجاب آہستہ آہستہ

پلائی آج ساقی نے شراب آہستہ آہستہ

دبے جاتے ہیں عاشق آپ کی اٹھتی جوانی سے

چڑھا آتا ہے سینے پر شباب آہستہ آہستہ

شب اوّل ہے اک دم بے تکلف ہو نہیں سکتے

سوالوں کا مرے دیں گے جواب آہستہ آہستہ

پئیں گے دم تو لینے دو کہ نو آموز ہیں زاہد

یہ سب جاتا رہے گا اجتناب آہستہ آہستہ

نہ پھیرو ایک دم خنجر کہ یوں گردن نہیں کٹتی

حضور آہستہ آہستہ جناب آہستہ آہستہ

کبھی ہو جائے گا یہ بانکپن بھی قاتل عالم

چڑھا کرتی ہے اس خنجر پہ آب آہستہ آہستہ

کوئی خم دے رہا ہے جلدی جلدی زلف پیچاں کو

کوئی کھاتا ہے دل میں پیچ و تاب آہستہ آہستہ

خیال بوسہ کر دیتا ہے آبی ان کے گالوں کو

بنا کرتا ہے سوسن یوں گلاب آہستہ آہستہ

گلا گھونٹا ہے ساقی نے، صراحی سانس لیتی ہے

مرے ہونٹوں تک آئے گی شراب آہستہ آہستہ

ادھر اس ناز پر بھی اک نظر اے صاحب دلدل

چلا آتا ہے یہ بھی ہمرکاب آہستہ آہستہ

ردیف (ی)

ہر جا ہے الفت کی نئی جلوہ گری ہے

غم دل میں، سرور آنکھ میں، شیشے میں پری ہے

دنیا سے نرالا ہے مزاج غم الفت

لب خشک ہوئے جاتے ہیں آنکھوں میں تری ہے

توبہ کو حلال آج کیے دیتا ہوں واعظ

لانا مری تلوار جو بوتل میں دھری ہے

معشوق ہے کوئی تو بس پردۂ اسرار

دنیا جو مری ہے تو کسی پر تو مری ہے

جو داغ حسینوں نے دیے جمع ہیں دل میں

جھولی یہ مری بھیک کے ٹکڑوں سے بھری ہے

یہ کیف کہاں مے میں کہ دیکھے سے سرور آئے
ساقی نے شرارت تری ساغر میں بھری ہے

بالیں سے مری اٹھ گئے یہ کہہ کے وہ آخر
کیا اس کا بھروسا یہ چراغ سحری ہے

کچھ ڈر ہے جو پی لوں کبھی زمزم ہی سمجھ کر
تھوڑی سی تو باقی مرے دامن میں تری ہے

ہے حسن نمائش کا ترے نام تماشا
کہتے ہیں جسے جلوہ گری پردہ دری ہے

غیروں کی برائی بھی سنے جاتے ہو خاموش
قربان اس انداز کے کیا بے خبری ہے

یہ خاک مری اور زمانے میں نہ اڑتی
ٹھوکر سے دبی ہے تری چالوں سے ڈری ہے

مشکوک کیا جرم وفا نے مجھے ورنہ
چاندی تو مرے سکۂ الفت کی کھری ہے

یہ چھائیں بھی دیکھو نہ پڑے ناز کسی کی
کہتے ہیں کہ سایہ بھی حسینوں کا پری ہے

بلائیں لی ہیں کیا کیا زلف نے رخسار جاناں کی
تلاوت کی ہے کس کس شوق سے کافر نے قرآں کی

مرے گھر آئے لیکن اس طرح آئے کہ کیا کہیے
کڑے چتون، چڑھے ابرو نظر ترچھی، ادا بانکی

کیا ہے میری قسمت کے ستاروں نے ہجوم اگر
حقیقت اور کیا ہے تیری پیشانی پرافشاں کی

ہوا ہے ہاتھ سے دست جنوں کے تنگ پیراہن
اڑائیں دھجیاں کیا کیا نہ وحشت نے گریباں کی

فشار جذب دل نے پاؤں پھیلائے ہیں اس ڈر
کہ ہر چھالے میں کھنچ آئی خلش خار بیاباں کی

بلائیں رات بھر برسیں گی اب زلفوں کے سودے میں
گھٹا بن کر سیاہی چھا گئی ہے شام ہجراں کی

ہمارا زخم پہلو بد مزہ سا ہوتا جاتا ہے
ادھر بھی کوئی چٹکی خیر ہو قاتل نمکداں کی

جناب خضر انسانوں سے کیوں یوں چھپتے پھرتے ہیں
لگا آئے ہیں شاید کوئی چسکی آب حیواں کی

شرارہ آہ سوزاں کا ہے جس کو برق کہتے ہیں

نہیں بادل کے ٹکڑے دھجیاں ہیں میرے داماں کی

دکھاتے کیا ہو یہ دانوں کا جل کر ڈھیر ہو جانا

کبھی تم بھی تو حالت دیکھ لیتے شمع گریاں کی

محبت نے کسی کی ناز کا فر کر دیا مجھ کو

مرے دل میں جگہ ہوتی چلی اک نا مسلماں کی

جو آئے ہو تو بیٹھو میرے پہلو میں ٹھکانے سے

نتیجہ کیا بھلا یوں چٹکیاں لے کر ستانے سے

مجھے ٹھوکر لگا دو نفع کیا سرمہ لگانے سے

مقدر کا جگانا بڑھ کے ہے جادو جگانے سے

ہمارا دل تو بیٹھا ہے ہمیں بھی بیٹھ جانے دو

کہاں اب اٹھ کے جائیں گے تمہارے آستانے سے

پتہ وصل عدو کا جیسی جھیپی شکل دیتی ہے

کہیں چھپتی ہے ایسی بات بھی ظالم چھپانے سے

بجھا کر شمع باتیں غیر سے اچھی نہیں لیکن

تمہارا دل تو ٹھنڈا ہو گیا میرے جلانے سے

جو دل آیا تو سمجھے زندگی ہے موت سے بدتر

نکلنا دم کا اچھا ہے کسی پر جان جانے سے

مری قسمت سے بڑھ کر ان کے گیسو بل کی لیتے ہیں
سنورتے ہیں بگڑنے سے، بگڑتے ہیں بنانے سے

سنیں کیا خاک واعظ تیری باتیں بہکی بہکی ہیں
غلام ساقی کو تر رکیں پینے پلانے سے

کسی کو کر رکھے ورنہ کسی کا ہو رہے انساں
اسے ہرجائی کہتے ہیں جو ملتا ہے زمانے سے

خدا غارت کرے دل کو کیا عالم سے بیگانہ
لگے آگ اس محبت کو کہ بگڑی ہر یگانے سے

بھلا اس تند خو سے تا کجا قسمت لڑے اپنی
کہ جو برسوں نہیں ملتا فقط آنکھیں لڑانے سے

ظالم ہیں بے وفا ہیں، جتنے ہیں حسن والے
ہم جانتے ہیں ان کو، یہ سب ہیں دیکھے بھالے

سودائے زلف میں ہیں، اب زندگی کے لالے
میری طرح نہ کوئی، سانپ آستیں میں پالے

ترچھی نظر کسی کی، آمادۂ خلش ہے
اس تیر بے خطا سے، اللہ تو بچا لے

ناصح تجھے خبر کیا، الفت کے ہتھکنڈوں کی

تو دل کو روڑ رہا ہے، یاں جان کے ہیں لالے

بس اور کچھ نہ سمجھوں، الفت کا طوق سمجھوں

آ کر جو کوئی میری، گردن میں ہاتھ ڈالے

کھوئے ہیں ہوش میرے، پردے کی اک جھلک نے

جاتا ہوں آپ سے میں، کوئی مجھے سنبھالے

دشمن تری گلی میں، کیا سنگ رہگذر ہے

ہٹتا نہیں ہٹائے، ٹلتا نہیں ہے ٹالے

آتے ہو منہ چھپا کر، چھپتے ہو منہ دکھا کر

انداز ہیں انوکھے، اغماض ہیں نرالے

تجھ سے غرض ہے مجھ کو، کیا کام ماسوا سے

بیگانہ سب سے کر دے، اپنا مجھے بنا لے

پوچھی نہ بات تک بھی، کانٹوں نے بات کیا ہے

بیٹھے ہیں منہ پھلائے، تلووں کے میرے چھالے

پھر آج تم کو دیکھا، آغوش میں عدو کی

پھر ہو گئے ہمارے، پہلو کے زخم آلے

ان پتھروں سے کب تک، اے ناز پھوٹتے سر

ہم تو بتنگ آئے، پڑ کر بتوں کے پالے

دیکھنا ناز کو عاشق بھی ہے عیار بھی ہے
جان دیتا بھی نہیں، جان سے بیزار بھی ہے

تیرا یہ رنگ کہ قاتل بھی ہے دلدار بھی ہے
دل کا یہ حال کہ اچھا بھی ہے بیمار بھی ہے

دیدہ و دل میں نہیں جرأت سودا ورنہ
حسن یوسف بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے

شیخ میخانے سے کیا کورے نکل جائیں گے
رہن جبّہ ہی نہیں آپ کی دستار بھی ہے

دیکھیے ملتی ہے کب پھانسی کہ گلا کٹتا ہے
زلف پر پیچ بھی ہے ابروئے خمدار بھی ہے

اک ادا پر تری مرتا بھی ہوں جیتا بھی ہوں
جو شفا ہے مرے حق میں وہی آزار بھی ہے

آئیے کیوں نہ ابھی قطع تعلق کر لیں
ہم بھی ہیں آپ بھی ہیں ہاتھ میں تلوار بھی ہے

ساتھ راحت کے مصیبت بھی لگی ہے اے نازؔ
پھول کے گل میں کھٹکنے کے لیے خار بھی ہے

قیامت میں کوئی کسی کا نہیں ہے چھپو گے کہاں اب یہ دنیا نہیں ہے

کوئی وقت بر کام آتا نہیں ہے
مجھے موت کا بھی بھروسا نہیں ہے

لگاتے ہو آنکھوں سے تم خط عدو کا
نوشتہ مقدر کا مٹتا نہیں ہے

محبت میں بھی حال بھی غیر اپنا
یہ سچ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں ہے

سنبھالے ہوئے اک ذرا موج ہستی
یہ ذرہ ہم آغوش صحرا نہیں ہے

خدا جانے کس پر نظر جا پڑی تھی
کہ اب تک مجھے ہوش آیا نہیں ہے

اشارے سے دشمن کے کیوں قتل ہوں میں
خدا حافظ اب مجھ کو مرنا نہیں ہے

تمنائے ترک تمنا ہے باقی
یہ کیونکر کہوں کچھ تمنا نہیں ہے

مے حب حیدر پہ ہے ناز مجھ کو
مجھے خواہش جام صہبا نہیں ہے

دیکھنا شوخی کہ ملتے ہیں ستانے کے لیے
دل ملاتے ہیں فقط آنکھیں لڑانے کے لیے

باغ ہستی میں برنگ غنچہ تصویر ہوں
بال و پر مجھ کو ملے ہیں کب ہلانے کے لیے

آتش دوزخ کا قصہ سن کے واعظ کیا کرے دل
سوز غم کیا کم ہے میرا دل جلانے کے لیے

ابر کے رونے پہ ہنسنا برق کا دیکھا جو آج
اک بہانہ ہو گیا آنسو بہانے کے لیے

اس میں کیا شکوہ کسی کا اپنا اپنا ہے نصیب

ہیں تمہارے واسطے ہوں تم زمانے کے لیے

محفل دشمن کہیں ہنگامۂ محشر نہ ہو

کیوں بٹھاتے ہو مجھے فتنے اٹھانے کے لیے

پاؤں توٹوٹے ہیں راہ شوق میں لیکن ابھی

سر لگا رکھا ہے تیرے آستانے کے لیے

دیکھنے والوں سے اپنے یوں ہی پردہ چاہیے

آئنہ رکھا ہے آگے منہ چھپانے کے لیے

تلخکامی میں بھی شاید ناز لذت ہے کوئی

مستعد ہیں غیر مجھ کو زہر کھانے کے لیے

برا جانتا ہے بھلا جانتا ہے — خدا جانے وہ مجھ کو کیا جانتا ہے

قضا کو جو تیری ادا جانتا ہے — وہی زندگی کا مزا جانتا ہے

دفا کو وہ کیا جانے کیا جانتا ہے — جفا کو جو تیری وفا جانتا ہے

یہی تو ہے پامال کی ان کے تربت — زمانہ جسے نقش پا جانتا ہے

چلو کعبے والوں سے تو پوچھ آئیں — کوئی دیر کا راستا جانتا ہے

وہ افسردہ قلب مضطر ہے میرا — جسے خضر آب بقا جانتا ہے

مسیحائی تیری مبارک ہو تجھ کو — مرے درد کی بھی دوا جانتا ہے

ہوا ہے خطا تیر چٹکی سے اس کی — وہ اس میں بھی میری خطا جانتا ہے

جو کچھ آپ ہیں خوب پہچانتا ہوں — نہ کہیے کہ تو مجھ کو کیا جانتا ہے

وہ دست دعا ہو نہ کوتاہ کیونکر — تری زلف کو جو رسا جانتا ہے

مری وضع نے بزم مے سے نکالا — کہ ساقی مجھے پارسا جانتا ہے

ستمگر کی ظاہر ہے نکتہ نوازی — دعا کو ہماری دغا جانتا ہے

نہیں رہتی مشکل کوئی نازؔ اس کی
علی کو جو مشکل کشا جانتا ہے

پلوا دے گر پلانی ہے جام بلور سے
پیر مغاں کی خیر ہو، آیا ہوں دور سے

کیوں بھاگتے ہو سن لو مری بات کان میں
بوسہ تو میں طلب نہیں کرتا حضور سے

کیونکر حجاب دل کے تو کچھ لطف بھی ملے
پردے میں رخنہ ڈالو نہ یوں کوہ طور سے

تم حشر میں دکھاؤ گے صورت، بجا مگر
مجبور ہوں میں اپنے دل ناصبور سے

توڑا بھی توبہ ساقی کوثر کے نام پر
بھرتے رہیں گے جام شراب طہور سے

عاشق مزاجیاں یہی جنت میں گر رہیں
کوشش کریں گے تم کو بدلنے کی حور سے

واعظ فریب ملّت ہفتاد و دو فریق
کھل جائے گا امام زماں کے ظہور سے

ٹھوکر اجل کی کھا کے ہوئے خاکسار ہم
خالی ہوا ہے کاسہ شراب غرور سے

مست مئے محبت آلِ نبی ہوں نازؔ
معمور ہے صراحی دل میری نور سے

آ لے ساقی سے بزم واعظ کے چھوٹے ہوئے
توبہ کیا ٹوٹی کہ ساغر جڑ گئے ٹوٹے ہوئے

گو زمانہ ہو گیا تجھ سے ہمیں چھوٹے ہوئے
اب بھی یاد آتے ہیں وہ اگلے مزے لُوٹے ہوئے

وہ جو خود آ کر ملے اک عمر کے چھوٹے ہوئے
سارے شکوے بے محل سارے گلے جھوٹے ہوئے

خاک کر کے بھی دکھائیں عشق نے گلکاریاں
داغ دل جتنے تھے سب مٹ مٹ کے گل بوٹے ہوئے

روئے ہم دل تھام کر اپنے مآل کار پر

میکدے میں دیکھ کر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

تو نے اتنا بھی نہ پوچھا اے شباب نامراد
کون جاتا ہے بہار زندگی لوٹے ہوئے

سر بھی چھوٹا سجدۂ در کی تمنّا بھی رہی
کیا نصیب ان چاہنے والوں کے ہیں پھوٹے ہوئے

نوک کی لیتا ہے کس بگنے پہ اے خار جنوں
پاؤں میں ابھرے ہیں دل کے آبلے پھوٹے ہوئے

بڑھ رہی ہے دن بدن شہر خموشاں کی بہار
جمع ہوتے جاتے ہیں احباب سب چھوٹے ہوئے

بن چکا بانیں بنانے سے طبیعت کا بگاڑ
جاؤ رہنے دو کہیں جڑتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

اس کی دو باتوں نے پھیرا داور محشر کا رخ
لو قیامت ہو گئی یاں بھی ہمیں جھوٹے ہوئے

آؤ کعبے کو چلیں شاید کہ دل لگ جائے نازؔ
اب تو مدت ہو گئی ہے بتکدہ چھوٹے ہوئے

نالۂ دل کی رسائی دیکھیے وہ چلا تیر ہوائی دیکھیے
آگ یہ کس نے لگائی دیکھیے آپ تو دست حنائی دیکھیے

آپ کاٹیں گے گلا، میرا گلا
اپنے ہاتھ اپنی کلائی دیکھیے

کہتے ہیں اچھا ہیں بے پردہ سہی
آپ کیوں صورت پرائی دیکھیے

کہہ رہے ہیں منہ پہ راز سوز دل
میرے اشکوں کی صفائی دیکھیے

ہو چلا پھر خون پانی آنکھ میں
پھر محبت رنگ لائی دیکھیے

کیا خبر ہے دیر میں کیسی کٹے
بت کریں کیسی خدائی دیکھیے

آئینہ پھر چوٹ اپنی کر گیا
آپ نے پھر منہ کی کھائی دیکھیے

کھا رہا ہے ٹھوکر دل پہ ٹھوکریں
کاسۂ جم کی گدائی دیکھیے

وصل میں اچھی نہیں یہ حجتیں
ہو نہ جائے ہاتھا پائی دیکھیے

ہو گئی ہے بند چشم اشتیاق
خاک سے پر آشنائی دیکھیے

دل لگی میں آپ تو رونے لگے
وہ ہنسی ہونٹوں پہ آئی دیکھیے

غیر اچھے ہیں بہت اچھے سہی
کوئی میری بھی برائی دیکھیے

یا صمد لب پہ ہے دل میں یا صنم
شیخ کا زہد ریائی دیکھیے

پھر بگڑ جائے گی نیت ناز کی
شمع پھر کس نے بجھائی دیکھیے

اس کی زلفوں سے الجھ بیٹھے یہ نادانی ہوئی
مول یہ سودا لیا جب سے پریشانی ہوئی
غیر نے پہچان لی منت مری مانی ہوئی

ڈوب مرنے کی جگہ ہے آبرو پانی ہوئی

تم گلے سے کیا ملے ایام فرقت کٹ گئے
عید میں، قربان میں اچھی یہ قربانی ہوئی

دیکھ کر تصویر مجنوں میرا دھوکا ہو گیا
بولے یہ صورت تو کچھ ہے جانی پہچانی ہوئی

آنکھ جھپکی تھی کہ دل بھر آیا ساغر کی طرح
فرقت ساقی میں یہ اشکوں کی طغیانی ہوئی

چھا گئی خود رفتگی ذوق تصور کے نثار
آپ ہی خود کھو گئے اچھی نگہبانی ہوئی

آئینہ بینی کا دیکھا بھی مآل کار کچھ
مجھ کو حیرت ہو گئی تم کو پریشانی ہوئی

غیر کی میت پہ تم روئے مرا دل بجھ گیا
لاگ کی آگ آج دو چھینٹوں میں پانی ہوئی

بات بھی کرتے نہیں اب ناز بیجا سے منہ سے وہ
کہہ دیا کیوں راز دل ان سے، یہ نادانی ہوئی

اللہ رے شوخی تری دزدیدہ نظر کی
وہ چوٹ لگائی ہے کہ دل کی نہ جگر کی

ناسور سے سینے کے اتر جائے گا پھا ہا
تصویر تری آنکھوں کے آگے سے جو سر کی

بن بن کے کتان غیر کے پھٹ پھٹ گئے دیدے
یہ چاندنی پھیلی ہے مرے رشک قمر کی

سجدے کی تمنا نے ترے در پہ گرایا
پاؤں میں مرے آگئی جو چوٹ تھی سر کی

ملنے کا کسی سے کہیں وعدہ تو نہیں ہے
کیوں ساتھ لیے جاتے ہو رونق مرے گھر کی

رونے پہ مرے دل ہی نہ جب تیرا پسیجا
کیا آبرو دنیا میں مرے دیدۂ تر کی

مت جاؤ شب وصل ہوئی جاتی ہے کالی
آجائے نہ آواز کہیں مرغ سحر کی

بے پوچھے اگر تم کو جگاؤں تو قسم لو
سو جاؤ مرے پہلو میں کیا بات ہے ڈر کی

مجھ سے بھی ہے اقرار عدو سے بھی ہے وعدہ
کیا جانیں کہاں جائیں نیت ہے کدھر کی

لگتی ہے نظر آپ نشانہ تو اڑا لیں

اس تیر ہوائی کو ضرورت نہیں پر کی

ہے یاد مجھے نازؔ ید اللہ کی سخاوت

وقعت مری نظروں میں ہو کیا دولت و زر کی

یہ گھٹا کب آج خالی جائے گی ‏ شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی

غیر سے آنکھیں لڑا ئیں آپ خیر ‏ ایک یہ بھی چوٹ کھالی جائیگی

آپ کے ارماں تو سب پورے ہوئے ‏ میری حسرت بھی نکالی جائے گی

کیا خبر تھی دل چرا کر ایک دن ‏ آنکھ بھی مجھ سے چرالی جائے گی

قتل کر لینا سنبھالو ہوش تو ‏ تیغ کب تم سے سنبھالی جائے گی

آئیں واعظ ہو کے مسجد شوق سے ‏ ان کے حصے کی بچالی جائے گی

جانتا ہوں لذت بوسہ مگر ‏ آپ کے ہونٹوں کی لالی جائیگی

ہو رہی ہے یوں مری مٹی عزیز ‏ غیر کے مدفن میں ڈالی جائے گی

لیکے دل بوسے پہ اڑ جاتے ہو تم ‏ آج سے قیمت چکالی جائے گی

زلف کو چھاتی پہ لہراتے ہو کیوں ‏ ہم سے یہ ناگن نہ پالی جائے گی

نازؔ خلوت میں وہ آئیں تو سہی

بدزبانی بھی اٹھالی جائے گی

تجھے معلوم ہو گا، مدعی یہ راز کیا جانے

تری محفل میں کیوں بیٹھی مری آواز، کیا جانے

غم لب دوز لائے راگ کیا نغمات ہستی پر

خموشی کا مری مطلب فغان ساز کیا جانے

شب وصل اس کے دم میں آ کے مرجانا نہیں اچھا

مسیحائی دل مردہ کی وہ دمباز کیا جانے

بنا رکھا ہے اپنا سبحہ کے ایک ایک دانے کو

یہ راز رشتہ زنار کا اعجاز کیا جانے

نہ کلیاں جس کی پھوٹی ہوں وہ گلچینی کو کیا سمجھے

قفس ہی آشیاں ہو جس کا وہ پرواز کیا جانے

حرم میں رہ کے سر پھوڑوں کہ سنگ در کو پوجوں

در توبہ ہوا کرتا ہے کیونکر باز کیا جانے

خلش ہے کیا مرے دل میں نظر بھر کر وہ کیوں دیکھے

مرے زخموں میں کیوں چل ہے وہ تیر انداز کیا جانے

بڑی ہیٹی ہوئی ٹپکے جو بزم غیر میں آنسو

یہ کھرا ان موتیوں کی دیدۂ غماز کیا جانے

خدا کے خاص بندے ہیں، نصیری کے خدا بھی ہیں

حقیقت میرے مولا کی کوئی اے ناز کیا جانے

لذت امروز محو دوش ہے زندگی گو یا فنا آغوش ہے

منتظر ہے کس کی اے بادِ خزاں میری شمعِ آرزو گل پوش ہے
دیکھتا ہوں چشمِ ساقی کی طرف قلقلِ مینا فریبِ گوش ہے
ہو گئی بینش نظر دنیا کے پاس یہ تماشائے وداعِ ہوش ہے
دے رہی ہے موت تسکینِ وصال دردِ دل درماں سے ہم آغوش ہے
میں ہوں مستِ گریۂ بے اختیار اشک کا ہر قطرہ ساغر نوش ہے

دل میں یادِ ساقیٔ کوثر ہے نازؔ
ہاتھ میں جامِ مے سرجوش ہے

طبیعت جو شوخی سے گھبرا گئی خفا ہوتے ہوتے ہنسی آ گئی
جفا کیجیے یا وفا کیجیے طبیعت تو اب آپ پر آ گئی
جوانی چلی دیکھتے دیکھتے کہیں کس سے ہم، اس کو لینا ہی گئی
زمانے سے اب ہم کو مطلب بھی کیا ہمیں تو تمہاری ادا بھا گئی
رقیبوں میں جب تک تھے، جاگا کیے مرے پاس آتے ہی نیند آ گئی
نہ میری بغل میں نہ تم بے گئے تو پھر کیا ہوا دل زمیں کھا گئی
کچھ ان کا بھی صحبت سے جی بھر گیا کچھ اپنی طبیعت بھی اکتا گئی
غضب کی نشیلی ہے ساقی کی آنکھ یہ جس سے ملی اس کو بہکا گئی

چھپے نازؔ کیا ان کے بوسوں کی یاد
جب آئی مرے ہونٹ پھڑکا گئی

نصیب میں کیا یہی لکھا تھا کہ دل کی امید بر نہ آئے
مری فغاں میں نہ ہو رسائی مری دعا میں اثر نہ آئے

کچھ ایسے تنگ آئے اس جہاں سے کہ ٹھان لی ہم نے دل میں اپنے
رہیں اب ایسے مکاں میں چلکر جہاں سے اپنی خبر نہ آئے

الٰہی اس عشق کا برا ہو اٹھا رہے ہیں غضب کے صدمے
جواں حسینوں پہ دل نہ آئے تو منہ تک اپنا جگر نہ آئے

بہا کے اس چشم تر سے دریا ہزار سینچا ہزار سینچا
نہال امید میں ہمارے ثمر نہ آئے ثمر نہ آئے

کہاں کے ہمدم رفیق کیسے سب اپنی اپنی جگہ پہ ٹھہرے
وہ تیز گام رہ فنا ہوں کہ ساتھ میرے خضر نہ آئے

جو روز وعدہ وہ شوخ آیا بہ رعب حسن جمال چھایا
بھرے تھے دل میں ہزار شکوے مری زباں تک مگر نہ آئے

کبھی ہوئی ہے نہ ہوگی پوری دل حزیں کی مرے تمنّا
پھر اس سے امید وصل کیا ہو جو بھول کر بھی ادھر نہ آئے

کیا تھا آنے کا اس نے وعدہ تو خواب میں وہ ضرور آتا
مگر علاج اس کا ناز کیا ہے جو نیند ہی تا سحر نہ آئے

بے خودی صورت گرِ ذوقِ تماشائی ہوئی
ہر نگاہِ شوق گرمِ لافِ یکتائی ہوئی

مر گیا سنتے ہی قُم، ٹلتی ہے کب آئی ہوئی
مفت میں بدنامی شانِ مسیحائی ہوئی

مر کے دیکھیں نعش کو میری وہ ٹھکراتے بھی ہیں
زندگی تو اپنی صرفِ ناصیہ سائی ہوئی

کیا کہوں محشر میں کس کی عذر خواہی کا ہے ڈر
پھر رہی ہے کیوں مری فریاد گھبرائی ہوئی

ہو چکی بس انتہائے شرمِ الفت ہو چکی
یاد بھی اب ان کی آتی ہے تو شرمائی ہوئی

آپ کا گیسوئے پیچاں آپ کا گیسو نہیں
یہ مری تقدیر ہے اور وہ بھی بل کھائی ہوئی

وعدہ کرتے ہو تو وہ کرنا کہ جو جھوٹا نہ ہو
وہ قسم تم آج کھاؤ جو نہ ہو کھائی ہوئی

لوٹتا ہے ہر قدم پر شوخیٔ رفتار سے
غیر چالیں چل رہا ہے میری ٹھکرائی ہوئی

اے بہارِ عمر میں تیری سخاوت کے نثار

اک کلی دل کی ملی ہے وہ بھی مرجھائی ہوئی

چھانتی پھرتی ہے خاک نجد شیدائے جذب شوق

قیس تو دیوانہ تھا لیلی بھی سودائی ہوئی

وصل کا جاگا ہوا کیا خاک سوئے ہجر میں

دل سے باتیں چھڑ گئیں جس وقت تنہائی ہوئی

کر دیا دست جنوں نے پردۂ الفت کو چاک

میں تماشا بن گیا دنیا تماشائی ہوئی

منہ چھپانے سے ترے راز محبت کھل گیا

میں بھی رسوا ہو گیا تیری بھی رسوائی ہوئی

میں نے بھی آنسو پیے ہیں بزم دشمن ہیں بہت

تم بھی رد کو میرے پھولوں ہیں ہنسی آئی ہوئی

کنج مرقد تک رہا کیا کیا ہجوم زندگی

عمر کا جب ساتھ چھوٹا ہے تو تنہائی ہوئی

بند کر دے گا تحیر روزن دیوار شوق

کام آ جائے گی میری آنکھ پتھرائی ہوئی

بے زبانی بھی ہے اپنی ساری دنیا کی نظر

نازؔ خاموشی مری تصویر گویائی ہوئی

ثانیِ احمدِ مرسلؐ کوئی پیدا نہ ہوا
لاکھ ہادی ہوئے لیکن کوئی ایسا نہ ہوا

سانحہ روزِ ازل سے کوئی ایسا نہ ہوا
قتل پیاسا کوئی سقّا لبِ دریا نہ ہوا

یوں تو ہونے کے لیے خلق میں کیا کیا نہ ہوا
ذبح دریا کے کنارے کوئی پیاسا نہ ہوا

ہُو بہو احمدِ مختارؐ کی صورت پائی
مثلِ ہمشکلِ پیمبرؐ کوئی یکتا نہ ہوا

جب سناں کھائی تو اکبر نے کہا شکرِ خدا
یوں جوانی میں کوئی موت کا شیدا نہ ہوا

بانو کہتی تھیں کہ سہرا نہ دکھایا اکبر
ہائے اس مادرِ ناشاد کا چاہا نہ ہوا

حشر تک شادیِ قاسم پہ بشر رد دیں گے

بیاہ ایسا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا

مسکراتے ہوئے دنیا سے سدھارے اصغر

شیر دل ایسا جہاں میں کوئی بچا نہ ہوا

جس طرح شام میں تھا آلِ نبیؐ کا عالم

یوں اسیروں کا زمانے میں تماشا نہ ہوا

ناز سمجھوں ہیں کسے حق کے ولی کا ہمسر

اولیا کتنے ہوئے پہ کوئی مولا نہ ہوا

اپنی بخشش کا سبب رونا رلانا ہوگیا

بخشوایا شہ نے اشکوں کا بہانا ہوگیا

کربلا جب سے خریدی حضرت شبیر نے

مومنوں کے مرنے جینے کا ٹھکانا ہوگیا

کل خدائی میں خدا کا ایک گھر مشہور تھا

اس کا مالک بھی پیمبر کا گھرانا ہوگیا

بت شکن کو دیکھ کر حیرت سے کہتے تھے ملک

لو خدا کی شان بندہ بھی یگانہ ہوگیا

خضر سے کہہ دے یہ کوئی اپنے گھر کی راہ لو

دل تو بے رہبر نجف کو اب روانہ ہو گیا

قابلِ عبرت ہے اے دنیا یہ تیرا انقلاب
ایک بیکس کا عدو سارا زمانہ ہو گیا

تیسری کو اٹھ گئے دریا سے حضرت کے خیام
ساتویں تاریخ سے بند آب و دانہ ہو گیا

اشتیاق مرگ میں تھے کب سے عباسِ علی
پر رضا لینے کو پانی کا بہانہ ہو گیا

پہلوئے شہ میں ندا دیتی تھی فوجِ بیکسی
بادشہ تو رہ گیا لشکر روانہ ہو گیا

مرثیہ کہنے کی دے توفیق اے ربِ کریم
اس دعا کو مدتیں گزریں زمانہ ہو گیا

ابروئے اصغر کو ماہِ نو کیا تشبیہ دوں
نازؔ یہ مضموں تو اب بالکل پرانا ہو گیا

فرشتہ قبر میں بہرِ حساب آیا تو کیا ہوگا
مرے لب پہ جواب لاجواب آیا تو کیا ہوگا

فشارِ قبر نے اس درجہ کیوں مجھ کو ستایا ہے
مدد کو میرا مولا بوتراب آیا تو کیا ہوگا

نتیجہ کیا ہے اے دل بے حساب اپنے گناہوں کا
خبر بھی ہے کہ جب روز حساب آیا تو کیا ہوگا

کدھر ہیں منکرِ حیدر ہمارے سامنے آئیں
بتائیں تو کہ مرقد میں عذاب آیا تو کیا ہوگا

مے حبِ علی کے حشر میں لاکھوں شرابی ہیں
اگر اک جام بے کر آفتاب آیا تو کیا ہوگا

گناہوں پر جو خالق ہم کو حکمِ نار بھی دیگا
نبیؐ سا شافع روزِ حساب آیا تو کیا ہوگا

وغا کو جب چلے حیدر تو خیبر میں یہ غل اٹھا
جو در پر علم پیغمبر کا باب آیا تو کیا ہوگا

لڑے جب شیر زینب کے تو فوجوں میں یہ غل اٹھا
اگر سیفِ الٰہی کو عتاب آیا تو کیا ہوگا

نہیں غم ناز جب خاکِ شفا میرے کفن میں ہے
مرے مرقد میں دوزخ سے عذاب آیا تو کیا ہوگا

بت شکن کا مرتبہ کعبے کے اندر دیکھنا
پائے حیدر دیکھنا دوشِ پیمبر دیکھنا

• اللہ اللہ بچپنے کا زورِ بازوئے علی

ننھے ہاتھوں سے کیا دو ٹکڑے اژدر دیکھنا

یہ کرامت ہے نبیؐ کی یا، علی کا معجزہ
گل سے ہلکا ہاتھ پر حیدر کے ہے در دیکھنا

وہ چلی تیغِ علی وہ آئی چٹ چٹ کی صدا
کٹ گئے کیا حضرتِ جبریل کے پر دیکھنا

اللہ اللہ عرش پر جاتے ہیں محبوبِ خدا
لے کے رف رف وہ چلا جاتا ہے فر فر دیکھنا

یہ خدا کے گھر میں حیدر کا ہے ادنیٰ معجزہ
بن گئے جھوٹے خدا کعبے میں پتھر دیکھنا

بنتِ پیغمبر کا رشتہ لائے ہیں روح الامیں
خانہ زادِ حق بنے زہرا کے شوہر دیکھنا

چن لے اے رضواں حسینی باغ کے گل بہرِ خلد
تیرے پھولوں سے ہیں بہتر یہ بہتر دیکھنا

تان کر سینے ٹہلتے تھے جو زینب کے پسر
شاہ کہتے تھے، بہن بچوں کے تیور دیکھنا

نشا میوہ بہرِ وفا عباس کو آنے تو دو
جن کو دعویٰ ہے وہی کانپیں گے تھر تھر دیکھنا

کہہ کے یہ بھاگے نگہباں نہر کے منہ موڑ کر
لو ترائی میں وہ آپہنچا غضنفر دیکھنا
وہ کنارے نہر کے عباس نے گاڑا علم
سائے میں طوبیٰ کے لہراتا ہے کوثر دیکھنا
اشک بہتے ہیں جو آنکھوں سے غم شبیر میں
فاطمہ کی گود میں ہوں گے یہ گوہر دیکھنا
ایک کے بدلے فلک پر آج دو نکلے ہیں چاند
دوش پر احمد کے ہیں شبیر و شبر دیکھنا
لٹ گیا بانو کا گھر مارا گیا کڑیل جواں
لاش کو لاتے ہیں شہ ٹوٹی کمر پر دیکھنا
رو کے زہرا نے یہ مقتل میں پیمبر سے کہا
چھین لی بے رحم نے زینب کی چادر دیکھنا
بیڑیاں پہنے ہوئے کانٹوں پہ چلتا ہے مریض
کشتی امت کا یہ خشکی میں لنگر دیکھنا
مدح خواں حیدر کے ہیں جبریل بھی اور ناز بھی
حشر میں دونوں کو جنت میں برابر دیکھنا

سخن بھی صاف ہے گویا مری زباں کی طرح
زمینِ شعر میں جلوہ ہے آسماں کی طرح

فلک کا تیرِ دعا عرش تک نہ جائے گا
ہزار چلّہ نشینی کرے کماں کی طرح

مرا کلام بھی پھرتا ہے سارے عالم میں
زمینِ شعر کو گردش ہے آسماں کی طرح

ثنائے حضرت اکبر پڑھوں گر آہستہ
تو لامکاں پہ صدا جائے گی اذاں کی طرح

حبیب کہتے تھے جب سے گزر گئے احمد
زمیں کی سمت خمیدہ ہوں آسماں کی طرح

علم سے حضرت عباس کو یہ اوج ملا
کہ نام کو بھی بلندی ہوئی نشاں کی طرح

حبیب کہتے تھے نو لاکھ پر ہوں میں بھاری
زمیں پہ بھی گروں گر تو آسماں کی طرح

پکاری ماں یہ جوانی غضب تھی اے اکبر
تری بہار نے لوٹا مجھے خزاں کی طرح

کبھی جو سینۂ اکبر پھوپی کو یاد آیا

تو سانس دل میں کھٹکنے لگی سناں کی طرح

لکھا جو عابدِ بیکس کے ضعف کا احوال
قلم ورق پہ چلا نبض ناتواں کی طرح

جو افتخار کے قابل ہے بزم میں اے نازؔ
سلام کے لیے تم نے چُنی وہ بانکی طرح

سوزِ ماتم سے ہے ثابت یہ سماں تاروں پر
رات بھر لوٹتا ہے چرخ ان انگاروں پر

روئے مہتاب سے روشن ہے عزاداروں پر
نیل تھے یوں کسی معصوم کے رخساروں پر

ہے غضب مصحفِ ناطق کو کیا خون سے لال
یہ محرف ہیں کہ حرف آ گیا تلواروں پر

تھی عجب چاہ کہ پیاسوں نے نہ کی جان عزیز
رشک یوسف کو ہے سیّد کے خریداروں پر

قید خانے کا سنا شام کے جب سے اندھیر
شمع بھی لوٹتی ہے رات بھر انگاروں پر

آبلوں سے کسی یوسف نے کیا پھر سیراب
کیوں ہے یعقوب کی پلکوں کا گماں خاروں پر

تھا ہر اک شام ہیں سرگرم تماشائے حرم
آئنے جڑھ گئے تھے دید کو دیواروں پر

بولے عابد نہ مجھے چین نہ صغرا کو دوا
کیا مصیبت ہے مسیحا تیرے بیماروں پر

کوئی بسمل کوئی قیدی کوئی گھر پہ بیمار
کوہِ غم ٹوٹ پڑا فاطمہ کے پیاروں پر

خونِ ناحق کی گواہی پہ ہیں طائر طیار
آج تک رنگ شہادت کا ہے منقاروں پر

ہائے وہ بزم شراب اور وہ سر پیاسے کا
دیدۂ جام لہو روتا ہے مینخوار دل پر

ناز کرتے ہیں وہ آفت ہیں رسولوں کی مدد
کیوں نہ تکیہ ہو مجھے اپنے مددگاروں پر

اکھاڑے بابِ خیبر کو جو صفدر ہو تو ایسا ہو
اٹھائے ہاتھ پر در علم کا در ہو تو ایسا ہو

کیا اژدر کو جھولے میں دو پارہ دیکھ لے دنیا
جو قوت ہو تو ایسی ہو جو حیدر ہو تو ایسا ہو

ہمیشہ کے لیے اک گھونٹ میں سیراب ہو جاؤں

قیامت کی عطش میں جام کوثر ہو تو ایسا ہو

جدا ہے جسم سے سایہ بھی وقت غیظ اکبر کا
سراپا کوئی ہمشکل پیمبر ہو تو ایسا ہو

نبیؐ ہیں شرع کا جسم اور حیدر فرق پیغمبر
جسد تو تھا ہی نورانی مگر سر ہو تو ایسا ہو

علی بحرِ کرامت حضرتِ شبیر ہیں مرجاں
جو دریا ہو تو ایسا ہو جو گوہر ہو تو ایسا ہو

علی فرقِ نبیؐ اور ان کے سر پر تاج مولائی
اگر سر ہو تو ایسا ہو جو افسر ہو تو ایسا ہو

علی ہیں خانہ زادِ حق۔ کنیز اللہ کی زہرا
جو بی بی ہو تو ایسی ہو جو شوہر ہو تو ایسا ہو

بہت سی آیتوں میں ہے ثنائے صورتِ حیدر
جو چہرہ ہو تو ایسا ہو جو دفتر ہو تو ایسا ہو

علی کی تیغ بازو پر گری پر بچ گیا قدسی
جو ضربت ہو تو ایسی ہو جو شہپر ہو تو ایسا ہو

بنا آبِ بقا خضر کے لیے تلوار کا پانی
کوئی پیاسا نصیبے کا سکندر ہو تو ایسا ہو

بہن کو شاہ ماں سمجھے وہ بابا سمجھیں بھائی کو
جو خواہر ہو تو ایسی ہو برادر ہو تو ایسا ہو

بھتیجی کے لیے شاہ نے کٹائے سر دیا اپنا
برادر پر فدا کوئی برادر ہو تو ایسا ہو

شبیہ مصطفٰی نے ہائے صغرا کہہ کے دم توڑا!
فدا ہمشیر پر کوئی برادر ہو تو ایسا ہو

جہاز اسلام کا سجاد نے زنجیر سے روکا
نبی کی ڈوبتی کشتی کا لنگر ہو تو ایسا ہو

اٹھائی شاہ نے کڑیل جواں کی لاش پیری میں
کوئی ٹوٹی کمر والا دلاور ہو تو ایسا ہو

نبیؐ یاد آگئے جس دم کہی تکبیر اکبر نے
صدا میں جذب ہاں اللہ اکبر ہو تو ایسا ہو

آنکھ جب کھولی تو قسمت سو گئی — جاگتے ہی اور غفلت ہو گئی
کچھ نہیں غیر و یگانہ کی تمیز — اے محبت تو کہاں گم ہو گئی
ہے یہ مقتل میں صدا وردِ بتول — آئی اور ہر اک لحد پر رو گئی
مدتوں سے فاطمہ کو ہے یہ شغل — تعزیہ خانے میں آئی رو گئی
ہیچ ہے دارِ جہاں کا لطف و عیش — آنکھ کھولی، عمر آخر ہو گئی

کیا کروں کنہِ خدا کی جستجو ۔ لو یہاں خود عقل میری کھو گئی

مصحفِ زہرا ہوا جب سے نہاں ۔ خلق کی کچھ اور صورت ہو گئی

اشک نکلا اور مٹے یاں سب گناہ ۔ قطرے سے ساری سیاہی دھو گئی

کربلا اب ناز کو بے جائے کون

ہائے اے قسمت کہاں تو سو گئی

بندے میں کمالِ کبریا کے ۔ قربان علیِ مرتضیٰ کے

اللہ کا ہاتھ جو ولی ہو ۔ کیوں اس سے نہ کام ہوں خدا کے

مستوں کی طرح سے چرخ جھومے ۔ اللہ رے ولولے وِلا کے

وہ خُمِ غدیر اور وہ ساقی (ق) ۔ وہ ساغرِ خُم مئے وِلا کے

وہ قولِ نبی الستُ اَولیٰ ۔ رندوں میں وہ غلغلے بلیٰ کے

خیبر سے پھرے جنابِ حیدر (ق) ۔ اسلام کی آبرو بڑھا کے

مرحب سے لعیں کو قتل کر کے ۔ جبریل کے تیں پر اڑا کے

در توڑ کے اور شکست دے کے ۔ دیندار بنا کے فتح پا کے

دنیا ہی میں خلد دیکھ آئے ۔ زوارِ شہیدِ کربلا کے

اے سبطِ نبی خدائی لے لی ۔ یوں راہِ خدا میں گھر لٹا کے

ضیغم نہیں چھوڑتے ترائی ۔ عباسِ علی پھرے نہ جا کے

بچی کی صدا سے لاش الٹی ۔ صدقے اس غیرت و حیا کے

افسوس عدو سناں لگائے سینے پہ شبیہ مصطفےٰ کے
اصغر شادی سے مسکرائے ننھے سے گلے پہ تیر کھائے
معصوم کی قید بھی اٹھا دی سجاد کو بیڑیاں پنہا کے
اے کاش پڑھوں سلام یہ ناز
روضے پہ شہید کربلا کے

علی کے وصف میں وقت سحر بلبل چہکتا ہے
عجب تاثیر ہے کھل کھل کے ہر غنچہ چٹکتا ہے
کنارِ نہر رہ رہ کر یہ پھر برادہ لہکتا ہے
وہ طوبیٰ جھومتا ہے چشمۂ کوثر چھلکتا ہے
ترائی میں یہ غل ہے بزدلو بھاگو غضب آیا
وہ دیکھو آگئے عباس وہ پنجہ چمکتا ہے
ہراول اب سوئے شہ آنے والا ہے کوئی دم میں
مثالِ قسمت حُر صبح کا تارہ چمکتا ہے
سقر کو ہے علی کے دشمنوں سے اسقدر الفت
اِدھر ناری پہنچتے ہیں اُدھر شعلہ لپکتا ہے
شہ دیں کہتے تھے اے ظالمو تھوڑا سا پانی دو (ق)
عطش کے غم سے خیمے میں مرا کنبہ سسکتا ہے

پئے حیدر ترس کھاؤ بنی زادے کے بچوں پر
سکینہ پیٹ کر سر دتی ہے باقر بلکتا ہے

زبان حال سے ہے بے زباں بھی آب کا طالب
علی اصغر بھی تجھ کو دیکھ کر پیہم ہمکتا ہے

مروت اور حمیت کیا یہی ہے اے مسلمانو
کہ تم پیتے ہو پانی اور جہاں منہ کو تکتا ہے

قیامت ہے کوئی بے شیر کو پانی نہیں دیتا
زباں دکھلا کے بچہ سب کا منہ حیرت سے تکتا ہے

نہ پورا کر سکے صغرا کے وعدے کو علی اکبر
یہ غم نیزے کی صورت قلبِ بسمل میں کھٹکتا ہے

گلا باقر کا اور زینب کا بازو ایک سی ہیں
کھڑی ہوتی ہے معصومہ تو یہ بچہ لٹکتا ہے

بلا لو ناز کو شاہ مدینہ اپنے روضے پر
جدائی کا الم سینے میں کانٹا سا کھٹکتا ہے

نسلِ ابراہیم پر حق کی رسالت ختم ہے
فاطمہ زہرا کی عترت پر امامت ختم ہے

مصطفیٰ پر حسنِ صورت حسنِ سیرت ختم ہے

پشت پر ہے خاتمے کی مُہر، حجت ختم ہے

جب ہوئی بلّغ کی محفل، کہہ اٹھا قرآن پاک

دین کامل ہو گیا خالق کی نعمت ختم ہے

پھل بھی اور سورے بھی آئے خُلد سے بہرِ حسین

ہیں کریم ابن کریم ان پر کرامت ختم ہے

اللہ اللہ، بانوئے سبط پیمبر کا شرف

عدل دادا پر تو پوتے پر امامت ختم ہے

حضرت عباس بھی حیدر رہیں اپنے وقت کے

کون کہتا ہے ید اللہ پر شجاعت ختم ہے

اِس طرف پیاسا۔ اُدھر نو لاکھ کلمہ درمیاں

دین کی حد کھینچ دی۔ شہ پر شہادت ختم ہے

اس قدر سجدے کیے سجاد کا پایا لقب

زُہد زہرا پر تو عابد پر عبادت ختم ہے

دی پیمبر نے ردا حق نے طہارت کی سند

زوج کعبے سے ملا۔ زہرا پہ عصمت ختم ہے

حسنِ ہمشکل پیمبر کی ثنا ہم کیا لکھیں

شکل ایسی پائی ہے جس پر رسالت ختم ہے

شبر و شبیر کی الفت کا پھل ہے باغ خلد
دو قدم دل سے چلو بس راہ جنت ختم ہے

حضرت شبیر پہ دو لال قربان کر دیے
دختر زہرا پہ بھائی کی محبت ختم ہے

مر گیا بھائی۔ پسر بچھڑا۔ لٹ ہیں کیونکر حسین
آنکھوں کی بینائی اور بازو کی قوت ختم ہے

ایک حکم ایسا بھی تو قرآن میں آیا ہے ناز
گر نبی اس کو پہنچا ئیں رسالت ختم ہے

نہ تاج کے نہ سپہر نہ رفتاں کے لیے
کسی شہید کا سر تھا سر سناں کے لیے

یہ اک نشان وفا تھا جو امتحاں کے لیے
سر حسین نے بوسے سر سناں کے لیے

اگرچہ حسن کو تھا اعتراف عشق مگر
کوئی حسین ضروری تھا امتحاں کے لیے

طلوع صبح قیامت حسین کی یہ صدا
سحر ہوئی علی اکبر اٹھو اذاں کے لیے

قضا نے گلشن زہرا کے پھول اے تقدیر

کہاں کہاں سے چنے ہیں کہاں کہاں کے لیے

حیات روح وفا ہے تمھاری موت کا ذکر
تمھاری یاد فقط نالہ و فغاں کے لیے

ز کوفہ تا بہ دمشق اہل درد کی آنکھیں
بچھی ہوئی تھیں شہیدوں کے کارواں کے لیے

بقصد مرگ زرہ پوش ہیں علی اکبر
بہار آج سجائی گئی خزاں کے لیے

اگرچہ غم کا تقاضا ہے مرگ جاں اے نازؔ
غم حسین مگر زندگی ہے جاں کے لیے

درمدح جناب امام زین العابدینؑ

ہماری زیست ڈھلتی چھاؤں ہے اور جاوداں تم ہو
غبارِ کارواں ہم ہیں، متاعِ کارواں تم ہو

جو تم کو ڈھونڈنے نکلے وہ خود کھوئے گئے آخر
نہ جانے خود کہاں ہیں، پھر وہ کیا جانیں کہاں تم ہو

ہیں دونوں منفرد یکساں، خطا میں ہم عطا میں تم
یہاں ہم ہیں جہاں ہم ہیں، وہاں تم ہو جہاں تم ہو

ہے شوقِ دید میں اور حشر میں جھگڑا قیامت کا
ابھی آئے قیامت گر نہ ان کے درمیاں تم ہو

امیدِ وعدۂ فردا پہ اپنے دن کیے پورے
اٹھایا دل نے محشر پھر بھی آنکھوں سے نہاں تم ہو

تجسس سے شریعت روکتی ہے چشم بینا کو
قفس میں بلبلِ سدرہ ہے جس کا آشیاں تم ہو

نگاہوں کی خطا ہے ورنہ جب دیکھا تصور میں
مری آنکھوں کے تل میں اور دل کے درمیاں تم ہو

تضادِ عاشقی سے وصل بھی ہے اور ہجراں بھی
یہاں تم ہو وہاں تم ہو، نہ یاں تم ہو نہ واں تم ہو

ہماری سرفروشی منتظر ہے پائے یوسف کی
وفا کا کس سے ہو سود النظر سے جب نہاں تم ہو

جبینِ حضرت آدم، جنابِ نوح کی کشتی
نہ وہ کچھ ہے نہ یہ کچھ ہے وہاں تم تھے یہاں تم ہو

خلیل رب کا گلشن بھی، تمھارا اک شگوفہ تھا
چراغ طور کا جلوہ بھی بے ریب و گماں تم ہو

ضیائے دیدۂ یعقوب حسن ماہ کنعانی
غرض منزل بمنزل یوسفِ ہر کارواں تم ہو

سلیماں کی ہوا بندی، لب داؤد کا نغمہ
کہیں تخت رواں ہو اور کہیں زور بیاں تم ہو

نہال قامت یحیٰی کی رنگینی و سرسبزی

مسیحا کی دوا ایوب کا درد نہاں تم ہو
تمھاری ہی تجلی ہے رخ پاک پیمبر میں
محمدؐ زینت محفل بنے ہیں، ضو فشاں تم ہو
تمھارا زور ہے بازوئے پیغمبر کے بازو میں
علی بن کر رسول اللہ کی تاب و تواں تم ہو
تمھارا حُسنِ ظاہر ہے جسے ہم نے حَسَن سمجھا
خود اپنی مصلحت بن کر بہر صورت عیاں تم ہو
بشر کی کیا حقیقت ہے جو اتنے رنج و غم جھیلے
حسینؑ ابن علی کا بھی مذاق امتحاں تم ہو
تمھارا حلم تھا عابد کی جس نے دستگیری کی
مریض ناتواں بن کر امیر کارواں تم ہو
تڑپ اٹھا ہے دل اے نازؔ سن کر نام عابد کا
لکھو اک مدح کا مطلع اگر شیریں زباں تم ہو
گھرے ہو غم میں، پر شکر خدا میں تر زباں تم ہو
مریض کربلا کیونکر نہ دل پر حکمراں تم ہو
تمھارے دم سے دنیا میں ہے باقی نسل پیغمبر
علی کا نام ہے تم سے محمد کا نشاں تم ہو

نہ کیونکر مفتخر ہوں خضر مولا کی قیادت پہ
حرم کے قافلے کے جب امیر کارواں تم ہو
تمہارے پاؤں سے لپٹی ہوئی ہے روح آزادی
بظاہر قید میں پہنے ہوئے گو بیڑیاں تم ہو
رگوں میں ہے نبی کا خون گو بیمار ہو تو کیا
توانا دین ہے جس سے وہ نبض ناتواں تم ہو
اشارہ کر رہی ہے ہر قدم زنجیر حضرت کی
نبی کے دین کی کشتی کا لنگر بے گماں تم ہو
عدو نے وہ ستم ڈھائے عجب کیا تھا جو حشر آتا
یہی ڈر ہے قیامت کو کہ مولا درمیاں تم ہو
ستم پر گو ستم جھیلے مگر اف تک نہ کی منہ سے
شکایت لب پہ کیا آئے محمد کی زباں تم ہو
تمہارا ہی سہارا ہے فقط آل پیمبرؐ کو
دیارِ شام و کوفہ میں معین بیکساں تم ہو
عدوئے جاں بھی تم کو سیدِ سجاد کہتے ہیں
بزرگوں کی ہے سب سیرت ابھی گو نوجواں تم ہو
یہ صبر و حلم ہے گھیرا ہے گو لاکھوں مصائب نے

نہ محو آہ و زاری ہو نہ مجبور فغاں تم ہو

در یا شام میں آزار جتنا بڑھتا جاتا ہے
کچھ اتنے ہی مقام حمد میں رطب اللساں تم ہو

تمھیں احمد تمھیں حیدر تمھیں شبیر اور شبر
اگرچہ فرد ہو لیکن بجائے خانداں تم ہو

گرفتار مرض ہے یہ تمھارا ناز اے مولا
شفا اک دم میں ہو جائے جو دم بھر مہرباں تم ہو

مراثی

(١)

درحال حضرت حبیبؑ بن مظاہر

جب روشنیٔ صبحِ شہادت نظر آئی   ہر باغ کی رت پھر گئی امید بر آئی
پولوں کی قبا پہنے جو حورِ سحر آئی   دیدار کو پودوں کی جوانی ابھر آئی
ہر سمت عجب حُسن عجب جلوہ گری تھی
ہر پھول شگوفہ تھا تو بلبل بھی پری تھی

جب نورِ ظہورِ شہ خاور نظر آیا   اک طرفہ سماں باغ فلک پر نظر آیا
گردوں پہ شفق کا رخِ احمر نظر آیا   یا آئینۂ سبطِ پیمبر نظر آیا
وہ جلوۂ و تنویرِ سحر طور کی صورت
جنت کی فضا حور کا رخ نور کی صورت

وہ کونپلوں کا پھوٹنا پودوں کا ابھرنا   شبنم سے حسینانِ گلستاں کا نکھرنا

وہ بادِ صبا کا چمنستاں سے گزرنا   وہ تختۂ گلزار پہ پھولوں کا بکھرنا

ہر باغ میں ایسی چمن آرائی ہوئی ہے

خود فصلِ بہاری پہ بہار آئی ہوئی ہے

نزہت کا یہ عالم کہ ہر اک شے سے عیاں ہے   لیکن چمنِ فاطمہ پامالِ خزاں ہے

بھائی کو بہن صورتِ نرگس نگراں ہے   بلبل کی طرح روحِ نبی نوحہ فغاں ہے

وہ غم کی سحر آئی کہ منہ کو جگر آئے

پھولوں کی زبانوں میں بھی کانٹے نظر آئے

جس وقت نمازِ سحری شہ نے ادا کی   حضرت نے دعا امتِ بیدیں نے جفا کی

تیر آنے لگے چند رفیقوں نے قضا کی   جو بچ گئے ان تیروں نے اعدا سے دغا کی

کیا کیا نہ دلاور شہِ دلگیر سے بچھڑے

جو چاہنے والے تھے وہ شبیر سے بچھڑے

تھی شہ کے رفیقوں میں عجب شانِ وفا کی   تا حشر نہ بھولے گی وہ سا کھے کی دغا کی

کس قہر کی تلوار تھی ہر ماہ لقا کی   رکنے پہ بھی مردم کی نگاہوں میں پھرا کی

وہ تا بقیامت بھی نظر سے نہ گرے گی

مثلِ مہِ نو چرخ کے سینے پہ پھرے گی

مارے گئے جب چند رفیق شہ عالی — تب ابن مظاہر نے بھی میداں کی رہ لی

حضرت سے رضا بنت پیمبر سے دعا لی — دل پر جو بشاشت تھی تو چہرے پہ بحالی

اللہ رے خوشی قوت فانی پلٹ آئی

پیری کی زیارت کو جوانی پلٹ آئی

غل تھا یہ جری حسن کا گنجینہ ہوا ہے — لو پیر حزیں شاہد سبزینہ ہوا ہے

حضرت کی بہ پیر سینہ بے کینہ ہوا ہے — چہرے کی یہ صورت ہے کہ آئینہ ہوا ہے

اس پیر مجاہد کی مرادیں جو بر آئیں

سب جھریاں آئینے کا جوہر نظر آئیں

یہ صبح ضعیفی کہ رخ نور فشاں ہے — اس بات پہ خود آنکھ کا بھی صاد عیاں ہے

گویا دہن پاک تو بے نام و نشاں ہے — گم ہے تو فقط صبح کے نقطے کا گماں ہے

باتوں میں بھی دنداں کہ نظر آئے نہیں ہوتے

سچ ہے کہ دم صبح ستارے نہیں ہوتے

وہ حشر کی آمد وہ رخ پیر کا جلوہ — بالائے جبیں اختر تقدیر کا جلوہ

ابرو میں ید اللہ کی شمشیر کا جلوہ — اخلاص کی خو الفت شبیر کا جلوہ

موتی لیے دیدار جری خلد سے پھر آئے

ہر غول میں غل ہے کہ خضر آئے خضر آئے

لشکر کے قریب آکے لعینوں کو ندا دی — اے کوفیو سیّد کو مسافر کو دغا دی
اے بیخبرو، آل کی توقیر بھلا دی — اس پہ مجھے حیرت ہے کہ محسن کو سزا دی
سب خلق پہ ظاہر ہے جو احسان کیا ہے
کافر تھے تمھیں کس نے مسلمان کیا ہے

یہ اس کی نشانی ہے جو نور ازلی ہے — کونین کا والی ہے دو عالم کا ولی ہے
ہر انجم و اختر سے جلا اس کی جلی ہے — سب خلق سے اعلیٰ ہے کہ نام اس کا علی ہے
ہاں حجتِ ہستیِ الٰہی اسے جانے
بندہ تو یہ کہتا ہے خدا ہی اسے جانے

جو اس کا شناسا ہے وہ خالق کا شناسا — ہاں اس مہِ کامل میں نہیں داغ ذرا سا
ہاشم کا یہ پوتا ہے۔ اسد کا یہ نواسا — ماں بنتِ اسد ہی تو پسر شیر خدا سا
یکتا جو خدا سا ہو تو بے مثل ولی سا
مولد جو حرم سا ہو تو مولود علی سا

اللہ رے جناب اسد اللہ کا پایا — مادر کا شرف حضرتِ مریم نے نہ پایا
کعبے کے قریں حق نے یہ اعزاز بڑھایا — دیوار میں در کر دیا اندر کو بلایا
غل تھا یہ درِ علم کی مادر کا شرف ہے
ماں پاک صدف ہے تو علی درِ نجف ہے

یہ ہادیٔ دیں چشمۂ رحمت کا گہر ہے　　حیدر کے سوا اور کوئی علم کا در ہے
اس چاند کا رخ آئینۂ فتح و ظفر ہے　　حیدر کی ولا نارِ جہنم کی سپر ہے
بے حبِّ علی خلق اماں پا نہیں سکتی
اس شاہ کے دلسوز پہ آنچ آ نہیں سکتی

موسیٰ و مسیحا و خلیل چمن آرا　　کس کس نے مصیبت میں علی کو نہ پکارا
اللہ کا یہ چاند محمد کا ستارا　　اس ماہ کی منزل میں ستارے کو اتارا
اللہ نے اعزاز بڑھایا نہ بڑھایا
والنجم اذا شان میں آیا کہ نہ آیا

جب رن پہ چڑھے ناریوں کے سر کو اتارا　　جو دیں کا حامل تھا وہ لاسیف پکارا
اُس عمرو سے موذی کو بھی حیدر نے ہی مارا　　حارث کو فنا کر دیا مرحب کو دو پارا
قدسی کا بدن نور کا تھا نور کے پر تھے
کاٹے نہ ہوں یہ خیبر زمیں کی تو سپر تھے

انسان تو کیا دیوؤں کے بھی معرکے جھیلے　　وہ بیرِ علم اور وہ شیاطین کے ریلے
وہ فوج کی فوج اور اسد اللہ اکیلے　　جنات کو فی النار کیا جان پہ کھیلے
یہ پاسِ نبی الفتِ اللہ تو دیکھو
حیدر نے کنوئیں جھانکے ہیں جا تو دیکھو

یہ سن کے ہر اک ظالم بے پیر پکارا　　وہ وقت علی کا تھا تو یہ وقت ہمارا
حیدر کے طرفداروں کا سر تن سے اتارا　　اب دیکھنا سب ان کے عزیزوں کو بھی مارا

حیدر نے بہت ناریوں کو قتل کیا ہے
ہم لوگوں نے یہ آج قصاص ان کا لیا ہے

فرمایا کہ حیدر نے تو اشرار کو مارا　　جو لڑنے کو آئے انھیں کفار کو مارا
تم نے تو ہر اک مومن و دیندار کو مارا　　قہر آئے گا گر سیدِ ابرار کو مارا

دنیا سے اٹھو گے تو یہ نوروز نہ ہوگا
جز نارِ جہنم کوئی دل سوز نہ ہوگا

وہ بولے کہ پیری میں عبث جنگ کو آئے　　معذور ہو کیا تم کو کوئی زور دکھائے
جو اٹھ نہ سکے اس پہ کوئی ہاتھ اٹھائے　　محرابِ عبادت ہو تمھیں کیا کوئی ڈھائے

لڑنے کو وہ آئے جو تن آور ہو جواں ہو
تم گوشے میں بیٹھو کہ ضعیفی سے کماں ہو

فرمایا کہ اک پیر سے یہ خوف یہ وسواس　　جو کعبے کو ڈھائیں انھیں محراب کا یہ پاس
ہاں فتح سے مایوس ہوئے زیست سے بے آس　　پیری سے غضنفر کی نہ کھو جائے نہ بو باس

یہ قدِ خمیدہ نہیں شمشیرِ قضا ہے
ناداں کو کماں کا جو گماں ہو تو خطا ہے

محراب کی مانند خمیدہ ہوں تو کیا ہے اللہ نے ہر فن میں مجھے طاق کیا ہے
شمشیر حسینی کا شرف مجھ کو دیا ہے اس قدِ خمیدہ میں مہِ نو کی حیا ہے

جھکنے ہی سے ابرو کی یہ توقیر بڑھی ہے
آنکھوں پہ جگہ پائی ہے نظروں پہ چڑھی ہے

سرکش نے زمانے میں کبھی اوج نہ پایا جو جھک گیا خالق نے شرف اس کا بڑھایا
محرابِ عبادت نے جو سر کو نہ اٹھایا تب اپنی طرف ساری خدائی کو جھکایا

سرکش کا کوئی منتظرِ دید ہوا ہے
جب چاند جھکا ہے تو مہِ عید ہوا ہے

دل غنچۂ شاداب ہے گو فصلِ خزاں ہے ایماں کی قوت ہے تو لاکی تواں ہے
میں پیر سہی پر مرا مُرشد تو جواں ہے جو سیّدِ سردارِ جوانانِ جناں ہے

جو شوم ہے جو نحس ہے وہ پیر نہیں ہوں
صد شکر کہ میں پیر ہوں بے پیر نہیں ہوں

یہ سن کے خطا کاروں نے جو تیر لگائے یہ تیغِ رواں کھینچے ہوئے شیر سے آئے
اس پیر جوانمرد نے وہ رنگ جمائے خونخوار عرق میں بھی لہو میں بھی نہائے

دس پانچ نہ سو بہ چھیوں والوں میں نظر آئے
ہاں کشتوں کے پشتے تو رسالوں میں نظر آئے

ساقی وہ پلا آج کہ پھر ہوش نہ آئے　　پھر آپ میں یہ رندِ قدح نوش نہ آئے

پھر ناز سے یہ گل سوئے آغوش نہ آئے　　اُس کو مری الفت ہو مجھے جوش نہ آئے

ہر جام کہ مجھے چشم تمنا نظر آئے

شیشے کی پری کو مرا سودا نظر آئے

اے ساقیِ خوش خو مری حسرت پہ نظر کر　　منت پہ خوشامد پہ سماجت پہ نظر کر

لیکن مری ہمت نہ لیاقت پہ نظر کر　　تو اپنی عطا اپنی سخاوت پہ نظر کر

وہ جام دے جو چشمہ صہبا نظر آئے

خورشید حبابِ لب دریا نظر آئے

دھوکا ہو کہ فردوس سے بادہ اتر آیا　　خورشیدِ منوّر کا پیالا اتر آیا

مداح یہ گویا من وسلویٰ اتر آیا　　یا مدحِ دلا میں کوئی آیا اتر آیا

قاضی کے فرشتوں کو بھی ہرگز نہ خبر ہو

یہ مدِّ نظر ہے کہ نہ منکر کی نظر ہو

دل کو کسی کھانے کا نہ نعمت کا مزہ ہے　　لیکن جہاں مے ہو وہاں جنت کا مزہ ہے

مے خانے میں تسبیح و عبادت کا مزہ ہے　　کعبہ ہو تو اس صاحب حرمت کا مزہ ہے

ایمان خدا کے اسی کاشانے سے پایا

ہم رندوں نے ساقی اس مے خانے سے پایا

اللہ رے مزا بادۂ انگور کا ساغر — یہ چاند چمکتا ہے کہ بلور کا ساغر
یہ طور کی ضو نور کی مے نور کا ساغر — مل جائے مجھے اب مرے مقدور کا ساغر

سینے میں تمنائیں بڑی لایا ہوں ساقی
میں مے کدے میں پہلی پہل آیا ہوں ساقی

اے بادۂ گلگوں یہ تری عزت و حرمت — مریم کی طہارت ہے مسیحا کی کرامت
زاہد کے لیے زہر ہمارے لیے امرت — تو دعوت اسلام تو اللہ کی نعمت

قرآن کا آیہ تری توصیف میں آیا
انعمت علیکم تری تعریف میں آیا

لو پیر سوئے فرقۂ بے پیر رواں ہے — کفار پہ اک دوسری شمشیر رواں ہے
غازی کے جلو میں فلک پیر رواں ہے — ہر غول پہ تازی صفت تیر رواں ہے

لشکر کے جواں وقت وغا سہمے ہوئے ہیں
اللہ رے خطرا اہل خطا سہمے ہوئے ہیں

وہ تیغ جدھر آ گئی محشر نظر آیا — اس غول کو غارت کیا اس صف کو بچھایا
آندھی تھی وہ سیل اور کبھی برق کا آیا — برباد کیا غرق کیا خوب جلایا

دل آگ کے شعلے تو بدن تیغ نظر آئے
جھلسے ہوئے منہ کرۂ دوزخ نظر آئے

اس شوم کا سر ساتھ ہیں مغفر کے اڑایا
اُس دیو کا جوشن مع بکتر کے اڑایا
اڑتے ہوئے تیروں کو قلم کر کے اڑایا
لشکر کے پروں کو بھی تو بے پر کے اڑایا
کہتی تھی اجل تجھ سے نرے پر کی اڑانا
ہاں چال سے اب دھجیاں محشر کی اڑانا

کیا تیغ پہ یزداں نے انصاف کیا تھا
قبضے میں جہاں قاف سے تاقاف کیا تھا
میدان کو آئینہ شفاف کیا تھا
صیقل کی طرح موج کو صاف کیا تھا
کیوں اس میں صفائی نہ ہو جو اہلِ صفا ہو
جس کوہ پہ چل جائے وہی کوہِ صفا ہو

وہ آب سے اس فوج کے بیڑے کی تباہی
چہروں کی وہ ظلمت ہے نہ لشکر کی سیاہی
وہ سیف زبانی پہ زباں بہرِ گواہی
جھکنا وہ غضب جھرد غا قہر الٰہی
ہاں شانِ جلال اس کی حرارت سے عیاں ہے
آیاتِ خدا سے ہے یہ صورت سے عیاں ہے

ہر ایک طرف لاشوں کا انبار لگا تھا
شمشیر ادا کا جسے اِک وار لگا تھا
گویا کہ اُسے عشق آزار لگا تھا
یوسف کے خریداروں کا بازار لگا تھا
کشتوں کا یہ نعرہ تھا کہ کیوں ہم سے خفا ہے
سر بیچ کے سودے کو ترے مول لیا ہے

اس صف کو پریشاں کیا اس غول کو غارت ہتھیار بھی بیکار تھے محنت بھی اکارت

وہ آنکھ میں شوخی وہ طبیعت میں شرارت پانی ہی میں ڈوبی رہے یہ شوق طہارت

پانی میں مہ نو ہے کہ ماہی کسے معلوم

ماہیتِ شمشیر، کماہی کسے معلوم

اللہ رے وہ جنگ وہ اس پیر کی شمشیر ایماں کی سپر عاشقِ شبیر کی شمشیر

دلجو و دلآرام ہے دلگیر کی شمشیر غم خوار کی غم خوار ہے شمشیر کی شمشیر

سیاف کی اور سیف کی اک شکل عیاں ہے

گردوں کا جو یم خم تو مہ نو کا سماں ہے

وہ جنگ وہ بیکار وہ جرار کا نعرہ ہر وار پہ یا سیدِ ابرار کا نعرہ

وہ ہمہمۂ شیر وہ تلوار کا نعرہ جھنکار تھی یا حیدر کرار کا نعرہ

اللہ رے شرف سیدِ ابرار دعا دیں

محبوب خدا اَنتَ حَبِیبِی کی صدا دیں

لڑتے تھے کہ ناگاہ جفا کاروں نے گھیرا اک شیر کو دو لاکھ ستمگاروں نے گھیرا

دیندار کو دنیا کے خریداروں نے گھیرا اس پھول کو ہنگام خزاں خاروں نے گھیرا

غل پڑ گیا پہلے تو اسے تیر لگاؤ

جب ضعف بڑھے نیزہ و شمشیر لگاؤ

یہ سنتے ہی بدکاروں کا باجوں کو بجانا وہ فوج کا دریا کی طرح جوش میں آنا
وہ بھیڑ وہ بلوہ وہ مسافر کو ستانا اک ساتھ کئی سو سے فرزوں تیر لگانا

اک بیر کو اور لشکر اشرار کو دیکھو
تیروں کی طرح خون کی بوچھار دیکھو

جب ضعف بڑھا برچھیوں والے بھی قریب آئے سب فوج کے دستے بھی سلیے بھی قریب آئے
موذی بھی قریب آ گیے رکالے بھی قریب آئے لو اہل عزا ظلم کے بھالے بھی قریب آئے

ہر نوک سناں جسم مطہر میں گڑی ہے
یہ اب تو سر پاک پہ تیغوں کی جھڑی ہے

اس ظلم پہ بھی شکوۂ بیداد نہیں ہے نالہ نہیں شیون نہیں فریاد نہیں ہے
مضطر ہیں مگر خواہش امداد نہیں ہے جز سبط نبی اور کوئی یاد نہیں ہے

کہتے ہیں مراد مصیباں نہ کچھ کیجیو یارو
پر سبط پیمبر کو نہ غم دیجیو یارو

دیکھو کہیں مولا پہ بیداد نہ کرنا ہاں پاس یزید ستم ایجاد نہ کرنا
یارو چمن فاطمہ برباد نہ کرنا ہاں زینب ناشاد کو ناشاد نہ کرنا

اے شامیو بیدانیوں کی آہ سے ڈرنا
احمد سے بد اللہ سے اللہ سے ڈرنا

حضرت کے عزیزوں کے بھی اوصاف جلی ہیں　　سادات ہیں حاجی ہیں سعید ازلی ہیں

شبر کے جگر بند ولی ابن ولی ہیں　　اکبر جو محمد ہیں تو عباس علی ہیں

کیا احمد ثانی پہ کوئی ظلم کرے گا

عباس کے خوں میں بھی کوئی ہاتھ بھرے گا

یہ کہتے تھے جو شامیوں نے عرش ہلایا　　اس قہر کا نیزہ دل بسمل پہ لگایا

رہوار سے ریتی پہ گرے اور غش آیا　　جب ہوش میں آئے تو کہا شکر خدایا

اے فاطمہ کی جان خدا حافظ و ناصر

فدوی ہوا قربان خدا حافظ و ناصر

یہ سن کے شہ پُر درد سرا لاش پہ آئے　　با خاک بسر برہنہ پا لاش پہ آئے

غازی کے لیے محو بکا لاش پہ آئے　　ہمراہ عزیز و رفقا لاش پہ آئے

قاسم بھی عزادار تھے ہمشکل نبی بھی

عباس بھی روتے تھے حسین ابن علی بھی

شبیر نے کیا اپنے مصاحب پہ عطا کی　　اس دھوپ میں لاشے پہ گئے اور عزا کی

پر آپ کے لاشے پہ کسی نے نہ بکا کی　　وہ اشک کسی کے نہ بہے شان خدا کی

اس طرح عزا سے کوئی محروم ہوا ہے

یارو کوئی شبیر سا مظلوم ہوا ہے

لاشے پہ جو پہنچے تو وہ ساماں نظر آیا　　سینے میں سناں دیکھ کے منہ کو جگر آیا

ہم شکل پیمبر کا بھی دل غم سے بھر آیا　　سر کر کہا افسوس ہے بھیل دل میں در آیا

اس زخم سے بڑھ کر بھی کوئی اور بلا ہے

ہاتف نے ندا دی یہی قسمت میں لکھا ہے

شبیر نے شانے کو ہلا کر یہ پکارا　　اے دوست ترمی موت نے مظلوم کو مارا

یہ جسمِ مشبک یہ سرِ پاک دو پارا　　کچھ حالِ دلِ زار تو کہہ یار خدارا

اس رنج سے میرا دلِ ناشاد بھی شق ہے

مجھ کو ترے بچے کی یتیمی کا قلق ہے

وہ چونک کے بولے کہ ید اللہ کے جائے　　اللہ سکینہ کو یتیمی سے بچائے

فدوی نے تو اس موت سے یہ مرتبے پائے　　ہاں پنجتنِ پاک مری لاش پہ آئے

زخمی مرا منہ احمدِ ذی جاہ نے چوما

مولا مرے ہاتھوں کو ید اللہ نے چوما

اس موت کا گر رنج کروں میں تو ستم ہے　　اللہ کی رحمت ہے پیمبر کا کرم ہے

خاتونِ جناں کو مرے مرنے کا الم ہے　　مجھ کو تو فقط آپ کی تنہائی کا غم ہے

مظلوم ہو بیکس ہو گرفتارِ بلا ہو

اس جنگ کا انجام خدا جانیے کیا ہو

عالم پہ عیاں ہے کہ در شہ کا گدا ہوں
بچپن سے تمنا تھی کہ حضرت پہ فدا ہوں

اک دم ہے کہ اب آپ کے قدموں سے جدا ہوں
عباس! ہمیں حضرت کو تمہیں سونپ چلا ہوں

للہ انھیں تیر و سناں کھانے نہ دینا
شبیر کو میداں کی طرف آنے نہ دینا

افسوس لعینوں نے نہ سید سے وفا کی
سر لینے کو تیار رہیں فریاد خدا کی

اللہ مدد کیجو غریب الغربا کی
یہ کہہ کے حبیب ابن مظاہر نے قضا کی

ناچار کے بالین پہ جو رونے کی صدا تھی
اغلب ہے کہ آواز بتول عذرا تھی

حضرت نے کہا ہمسر بے غربا ابن مظاہر
ناچار و حزیں زخم نصیب ابن مظاہر

ہم دور تم احمد کے قریب ابن مظاہر
کیا داغ سہا ہائے حبیب ابن مظاہر

افسوس کہ بچپن کی ملاقات بھلا دی
پردیسی مسافر کو مصیبت میں دغا دی

بچپن سے مرے ساتھ الم آپ نے جھیلے
جب ساتھ میں کھیلا کیے اب جان پہ کھیلے

جاتے ہو سوئے گلشن فردوس اکیلے
اب آپ کا غم جلد مری جان بھی لے لے

جلدی سے قضا آئے یہی حق سے دعا ہے
جب دوست نہ ہوں زیست کا کیا خاک مزا ہے

خاموش ہوا آتا تو قیامت کا سماں ہے
اک شور ہے مجلس میں وہ فریاد و فغاں ہے

ہے وقتِ دعا اب کہ دلِ زار تپاں ہے
مولا سے یہ کہہ عرض بہت دل نگراں ہے

ملاح پہ رحمت ہو شبِ روزِ احد کی
روضے میں جو آقا کے جگہ پائے لحد کی

---

(۲)

در حالِ جنابِ فاطمہ زہراؑ

آسیا خلق میں ہے آسیہ سائے زہرا
پردہ دیدۂ رحمت ہے ردائے زہرا

زیورِ گوشِ اجابت ہے دعائے زہرا
ذکرِ معبود ہے تسبیح ثنائے زہرا

سورت حمد بھی زہرا کی ثنا کرتی ہے
قل ھو اللہ بھی اخلاص کا دم بھرتی ہے

زُہرۂ منزلِ طاعت نے وہ طالع پایا
باپ وہ مہرِ مُبیں جس کے بدن کا سایا

زوج وہ اپنی زباں حق نے جسے فرمایا
پائی بیٹے کو وہ منزل جہاں قرآں آیا

دیکھ لے عرش درِ فیض مآبِ زہرا
تاجِ بلقیس ہے نعلینِ جنابِ زہرا

فضل خالق سے سدا سایۂ رحمت میں رہیں — حق کی طاعت میں محمد کی اطاعت میں رہیں
دور گر دولت سے مگر کلفت و عسرت میں رہیں — یہ بھی اک خاص تھی نعمت کہ مصیبت میں رہیں

شب کو تسبیح و عبادت میں سحر کرتی تھیں
دن کو چکی کے سہارے پہ بسر کرتی تھیں

یوں نہ گردوں کسی بیکس کا کلیجہ چھیلے — خاص کر اس کا جو اپنے لب شکوہ سی لے
خاک سے کپڑے ہیں میلے تو دھوئیں سے نیلے — دونے کے فاقوں سے رخسار پڑے ہیں پیلے

اس بلا میں بھی دعا ہے تو شفاعت کے لیے
ذکر تسبیح میں تحلیل ہیں امت کے لیے

ایک دن احمد مرسل نے یہ زہرا سے کہا — اپنی خاطر تو ہر اک وقت ہے تسبیح خدا
میری امت کے لیے بھی کبھی کرتی ہو دعا — عرض کی ان کی تو تسبیح ہے زہرا کو سدا

نذر امت ہے مری ساری ریاضت بابا
مشغلہ راہ ہے ہر شب کی عبادت بابا

بولے احمد کہ ہے امت کا بڑا ہم کو خیال — حشر آئے گا جو محشر میں تلیں گے اعمال
ہنس کے زہرا نے ندا دی کہ شہ عرش جلال — جس کے پلے یہ ہوں ہیں پھر اسے کیا خوف و ملال

معرکہ حشر کا امت پہ نہ ہوگا بھاری
اپنے اعمال سے کر دوں گی میں پلہ بھاری

گرمی بازاری محشر جو کرے گی میزاں — ساتھ اعمال کے رکھ دوں گی میں اک جنس گراں

بولے وہ جنس گراں کیا ہے بتاؤ مری جاں — بولیں اک گوہر اعجاز کے دُرّ دنداں

پوچھا پلّہ ہو سبک پھر بھی تو پھر کیا ہو گا

عرض کی فرقِ علی پلّے میں رکھا ہو گا

پوچھا اس پر بھی برابر نہ ہو پلہ تو کیا — بولیں زہرا کہ میں رکھ دوں گی جگر شبّر کا

پوچھا پھر بھی نہ مساوی ہو تو رو کے یہ کہا — ٹکڑے قاسم کے بدن کے میں رکھوں گی بابا

پوچھا ہلکا ہی رہا پھر بھی تو کیا باقی ہے

رو کے بولیں مری زینب کی ردا باقی ہے

پوچھا پھر بھی نہ چلا کام تو بولیں رو کر — بابا جان دوڑ کے رکھ دوں گی سکینہ کے گہر

رو کے فرمایا کہ پھر بولیں نہ پوچھو سرور — پھر تو اک حشر اٹھاؤں گی میانِ محشر

دیکھوں اس پر بھی نہ پلّہ ہو برابر بابا

خوں بھرا لاؤں گی شبیر کا میں سر بابا

واہ اے فاطمہ شافعہ روحی لفداک — کیوں نہ ہو اہل عطا دختر شاہ لولاک

خاص مریم کا مصلّیٰ ہے ترا دامن پاک — یہ عبادت کی ادا خلق سے یہ خُلق دنیاک

جو محمد کے خصائل ہیں وہ سیرت تیری

دہر میں منزل اخلاص ہے صورت تیری

ایک دن بیٹھی ہوئی کرتی تھیں امت کی دعا آئی ناگہہ درِ دولت سے کسی کی یہ صدا

رحم فرمایئے سائل پہ بھلا ہو زہرا فاطمہ بولیں تو کس چیز کا طالب ہے بتا

عرض کی مال کا خواہاں ہوں نہ زر کا طالب

ہوں فقط آپ کے مظلوم پسر کا طالب

دے چکے حضرت شبر کو مجھے شیرِ خدا پھر یہ فرمایا کہ شبیر ہے جانِ زہرا

اختیار اس کا علی کو نہیں ڈیوڑھی پہ جا سن کے یہ دل میں ہوا جوشِ ولا فرطِ سخا

دل یہ کہتا تھا تصدق کا ثمر اعلیٰ ہے

چاہ کہتی تھی بڑی محنتوں سے پالا ہے

بولیں زہرا اسے ہیں کر چکی نذرِ داور فدیۂ امت عاصی ہے مرا نورِ نظر

بولا در پھر نہیں کچھ آپ کا دعویٰ اس پہ وقف ہے نذرِ خدا بھیجیے جلد ہی باہر

بولیں تھم جا کہ نکلتا ہے کلیجا میرا

چیز اللہ کی ہے کچھ نہیں دعویٰ میرا

دے چکی ہیں تو، مگر بخش دے اب تو یہ پسر اکتفا کرتا ہے تیرے لیے اک رشکِ قمر

پاس زہرا کے رہے، ملک یہ تیری ہو کر دونوں آنکھیں جو نہ ہوں گی تو جیوں گی کیونکر

مجھ سے کہوا لے ہزاروں میں کہ تیرا ہے حسین

پر ابھی قابلِ خدمت نہیں بچہ ہے حسین

بولا سائل کہ یہ آپ کی ہمت سے بعید — آئے اس ڈیوڑھی پہ سائل تو انھیں ہو گئی عید
جن کی قسمت تھی جو ان کو ملا بخت سعید — یہ در پاک ہے دنیا میں مرادوں کی کلید

خلق نے پایا ہے سب کچھ اسی گھر سے بی بی
خالی پھر جائے گدا آپ کے در سے بی بی

بولیں گھبرا کے یہ زہرا کہ نہیں مرد خدا — کپڑے پہناؤں میں نہلا کے جو ہو تیری رضا
اذن دے دیکھ لوں نوشاہ بنا کر میں ذرا — مل لوں جی بھر کے کہ ہونا ہے مسافر سے جدا

پھر کبھی گھر انھیں لائے کہ نہ لائے قسمت
دیکھیے شکل دکھائے نہ دکھائے قسمت

ہو گیا سن کے جو راضی وہ گدائے خوش خو — ماں نے سلجھائے وہ معصوم کے بکھرے گیسو
جسم میں عطر محبت کی لگائی خوش بو — کپڑے پہنائے تو آنکھوں میں بھر آئے آنسو

بولیں پھر جائے گا خوں میں یہ بدن ہائے حسین
تیری قسمت میں نہیں غسل و کفن ہائے حسین

پھر گدا سے کہا تجھ سے بھی ہے اک میرا سوال — ہو اجازت تو حسن سے بھی ملے خستہ حال
آیا منزل میں وہ گلرو تو ہوئیں آپ نہال — مل کے فرمایا کہ اللہ نگہباں مرے لال

اب تمھارا میں نہیں کوئی گدا مالک ہے
نام پر اس کے چلے جاؤ خدا مالک ہے

دونوں آنکھیں جو چلیں ہلنے لگے قلب و جگر
فطرتِ غم نے کلیجے کو سنبھالا بڑھ کر

گو کہ چہرے پہ نہ تھا درد جدائی کا اثر
مامتا کہتی تو ہو گی یہ مگر پیٹ کے سر

چھٹتے ہیں منتوں والے مرے دلبر لوگو
نسبتیں کس کی اب آئیں گی مرے گھر لوگو

سن چکے اہلِ ولا منقبتِ بنتِ رسول
اب پڑھوں حالِ مصائب کہ یہ ہے اصل اصول

آہ و زاری سے ہو ظاہر اثرِ حبِ بتول
رونے کی وجہ سے ہر اک حسنہ ہے مقبول

روئیں ایسا بعزا فاطمہ جاں کھوتی ہیں
رات دن ہائے نبی کہتی ہیں اور روتی ہیں

کبھی نوحہ ہے کہ حج ہو چکا اے قبلۂ دیں
اب کی معراج یہ کیسی ہے کہ پھرتے ہی نہیں

بدر میں ہو کہ احد میں ہو مرے ماہ مبیں
پھر کسی گوہرِ دنداں پہ نہ ضرب آئے کہیں

وجہ کیا ہے کہ نگاہوں سے ہو پنہاں بابا
پھر سنا جائیے آ کے مجھے قرآں بابا

کبھی ماتم کبھی شیون تو کبھی غش طاری
بڑھتے بڑھتے مرض الموت ہوئی بیماری

اس پہ حسرت کا الم سب ستموں سے بھاری
فاقے آتے ہیں دوا لائے کہاں بیچاری

دکھ یہ اور دل پہ اگر ہوتے غضب ہو جاتا
یہ بلا دن پہ جو پڑتی تو وہ شب ہو جاتا

ایک دن غش میں یکایک یہ پکاریں زہرا　　السلام آیئے اے روح امیں پیک خدا
رو کے شبیر سے یہ زینب مضطر نے کہا　　لو فرشتے نظر آنے لگے کیا ہو بھیا

ہائے مجبوری میں ہم نے کوئی خدمت بھی نہ کی
آئی کیا جلد قضا کوئی وصیت بھی نہ کی

غش سے جو نکا یا تو بولیں کہ مٹا رنج و تعب　　میرے مالک نے کیا ہے مجھے خدمت میں طلب
بجا لائیو کو میں تجھے سونپتی ہوں اے زینب　　بولی وہ اور نئی بات سنو ہائے غضب

اماں کیا کہتی ہو ان باتوں کے میرے دن ہیں
ان سے میں عمر میں چھوٹی ہوں کہ وہ کم سن ہیں

مجکو کیجے جو سپرد ان کے تو حق ہے اماں　　رو کے بولیں کہ میں نادان نہیں راحت جاں
تیری الفت سے ہے واقف یہ کنیز یزداں　　ان کو کیا سونپیوں خود ہیں کوئی دن کے مہماں

تو ہے دونوں کے لیے جان کی کھونے والی
تیرے صدقے مرے مظلوموں کی رونے والی

میری پیاری مرے شبیر کی تو ہے شیدا　　کربلا میں مرا مظلوم ہو جب تجھ سے جدا
میرے دلبند کے لاشے کی بلائیں لینا　　آئی ہاتف کی ندا ہائے غضب وا ویلا

کس طرح لے گی بلائیں کہ محن میں ہوگی
ہائے دکھیا کی کلائی تو رسن میں ہوگی

پھر یہ فرمایا میں صدقے گئی اسما کو بلاؤ پاس وہ آئی تو فرمایا کہ تکلیف اٹھاؤ

جس میں پردہ رہے ایسا کوئی تابوت بناؤ جیتے جی ہو مجھے تسکین ابھی لا کے دکھاؤ

لا کے دکھلا دیا تابوت کو تب چین آیا

دیکھ کر پردے کا ساماں کہا اب چین آیا

بولیں امّ سلمہ رو کے دعا لے کے بلائیں دل یہ کہتا ہے کہ کوئی آپ وصیت فرمائیں

بولیں لازم ہے مجھے آپ دعا سے نہ بھلائیں تشنہ خاک جو کھائے مرے سامنے لائیں

دیدۂ قلب سے نظارہ تربت کر لوں

پھر ذرا خاک شفا کی میں زیارت کر لوں

امّ ایمن سے کہا شیر الٰہی کو بلاؤ آئے حیدر تو پکاریں ہمیں رخصت فرماؤ

بیٹھ کے وہ بولے کہ صاحب کوئی حسرت ہے بتاؤ عرض کی جرم مرے بخش دو محشر سے بچاؤ

پیٹ کر منہ کو کہا آپ یہ فرماتی ہیں

ہو کے معصومہ خطاوار کو شرماتی ہیں

عذر میں کرتا ہوں خود بخشیے حیدر کی خطا میرے گھر آ کے تمھیں عیش میسر نہ ہوا

چکیاں پیسیں شب و روز خوشی سے زہرا مجھ سے خدمت نہ ہوئی پر نہ کیا تم نے گلا

روزے رکھتی رہیں روزی جو علی کو نہ ملی

ایسی بی بی کسی مرسل کو نبی کو نہ ملی

خیر فرمایئے کچھ اور بھی ہے دل کی مراد　　رو کے بولیں کہ امامہ ہے مری خواہرزاد

میرے بچوں کو سمجھتی ہے وہ اپنی اولاد　　وہ کنیزی میں ہے جبکہ ہو لونڈی آزاد

غیر آئی تو مرے بچوں کی دشمن ہوگی

چاہے گی اپنی مرادیں نئی دلہن ہوگی

بعد میرے جو کریں بیاہ شہ جن و بشر　　میرے معصوموں کی بھی لیتے رہیں خبر خبر

کھانے پینے کا طریقہ یہ رہے مد نظر　　ایک دن اُس کے یہاں دوسرے دن ان کے گھر

کم کسی حال میں بچوں سے نہ شفقت کیجو

قلب نازک ہیں کبھی ان کو نہ گھڑکی دیجو

تو چلی ہیں حرم خیبر درا سے ہشیار رہ　　حسن غنچہ لب سبز قبا سے ہشیار

زینب بیکس و مضطر کی ردا سے ہشیار　　میرے مظلوم غریب الغربا سے ہشیار

آگیا وقت قضا زیست ہے آخر مولا

ہچکیاں آئیں خدا حافظ و ناصر مولا

شہ سے دیکھا نہ گیا آنکھوں میں آنسو بھر لائے　　آہ بھرتے ہوئے مسجد کو چلے سر کو جھکائے

فاطمہ کھا گئیں غش خوف سے بچے گھبرائے　　ہوش آیا تو کہا کوئی مصلے پہ بٹھائے

غیر معبود کسی کو نہ پکاریں زہرا

سجدے کرتی ہوئی جنت کو سدھاریں زہرا

قبرِ احمد پہ گئے تھے جو پسر بہرِ دعا ۔ آ گئے ڈیوڑھی پہ پیدی زینبِ بیکس نے ندا
اے دو ڈرِ مرے ماں جاؤ ہوا حشر بپا ۔ فاطمہ روٹھ گئیں آ کے مناؤ بھیّا

اپنے جیتے کوئی حسرت نہ نکالی میری
ہائے ڈھونڈوں میں کہاں چاہنے والی میری

سن کے بیٹی کی صدا دوڑ کے حیدر آئے ۔ اشک برساتے ہوئے دونوں برادر آئے
گھر میں یوں گئے وہ جس طرح کہ محشر آئے ۔ بیکسی دیکھ کے غیروں کے بھی دل بھر آئے

دل کراواز یتیموں کی جو تڑپاتی تھی
قبرِ احمد سے بھی رونے کی صدا آتی تھی

عالمِ یاس میں حیدر نے دیا غسل و کفن ۔ بڑھ کے ام سلمہ نے یہ کہا رو کے سخن
آؤ لوگو مری شہزادی بنی ہیں دلہن ۔ حشر آیا کہ ملے آ کے حسین اور حسن

کلمۂ درد جو بیٹوں کے دہن سے نکلے
ماں کے تھرائے ہوئے ہاتھ کفن سے نکلے

مل کے مادر سے جو فرزندوں نے کی آہ و بکا ۔ آئی آواز چھڑاؤ انہیں یا شیرِ خدا
عرش لرزاں ہے کہیں ہو نہ قیامت برپا ۔ تو عزادارو بقیع کو چلیں خیر انسا

بیٹیاں پیٹ کے چلائیں کہ منہ موڑ چلیں
یہ تو بتلاؤ ہمیں کس پہ یہاں چھوڑ چلیں

ناز خاموش ہو مجلس میں ہوا شور فغاں　　فلک پیر سے یہ پوچھ کہ او ننگ زماں

جس کے پردے کا یہ تھا پاس میان دوراں　　پردہ شب میں ہوا دفن و کفن کا ساماں

ہائے خورشید نے بھی جس کا نہ لاشا دیکھا

اس کی عترت کا زمانے نے تماشا دیکھا